جشنِ صد سالہ دار العلوم منظر اسلام مبارک

(۱۴۲۲ھ----۲۰۰۱ء)

حیاتِ صدر الشریعہ

صدر الشریعہ مولانا علامہ محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالی
(صاحب بہار شریعت) کا تذکرہ خود ان کی زبانی

مرتب

بحر العلوم مولانا علامہ مفتی عبد المنان اعظمی مدظلہ العالی
شیخ الحدیث، شمس العلوم گھوسی،

رضا اکیڈمی - لاہور

جشنِ صد سالہ دار العلوم منظر اسلام مبارک
(۱۴۲۲ھ ـــ ۲۰۰۱ء)

حیاتِ صدر الشریعۃ

صدر الشریعۃ مولانا علامہ محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ
(صاحب بہار شریعت) کا تذکرہ خود ان کی زبانی

مرتب

بحر العلوم مولانا علامہ مفتی عبد المنان اعظمی مدظلہ العالی
شیخ الحدیث، شمس العلوم گھوسی، انڈیا

رضا اکیڈمی، لاہور

سلسلہ مطبوعات نمبر ۱۱۸

نام کتاب —— حیاتِ صدر الشریعہ

مصنف —— بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی، [illegible]

باہتمام وتصحیح —— علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری برکاتی

صفحات —— ۱۱۲

تعداد —— ۱۱۰۰

سن اشاعت —— ربیع الاول ۱۴۲۲ھ جون ۲۰۰۱ء

کمپوزنگ —— [illegible] کمپوزرز، اسلام پورہ، لاہور فون 7225944

ہدیہ —— دعائے خیر بحق معاونین رضا اکیڈمی رجسٹرڈ لاہور

مطبوعات منگوانے کے لیے

رضا اکیڈمی اکاؤنٹ نمبر ۹۳۸/۳۸، حبیب بینک

وسن پورہ برانچ لاہور

بذریعہ ڈاک طلب کرنے والے حضرات -/۲۰ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں

رابطہ

رضا اکیڈمی رجسٹرڈ مسجد رضا محبوب روڈ چاہ میراں لاہور پاکستان

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

گزشتہ سال اکتوبر 2000ء میں راقم کو ہندوستان کے عظیم ترین ادارے جامعہ اشرفیہ، مبارکپور حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی، جامعہ میں حضرت پیر طریقت پروفیسر سید محمد امین میاں برکاتی دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ مارہرہ شریف، ضلع ایٹہ، انڈیا کی سرپرستی میں "مجلس البرکات" قائم ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ درس نظامی میں جو کتابیں شامل ہیں وہ اہل سنت وجماعت کے حواشی کے ساتھ شائع کی جائیں۔ سربراہ جامعہ اشرفیہ عزیز ملت حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مدظلہ العالی، مولانا علامہ محمد احمد مصباحی، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفےٰ اعظمی، علامہ مفتی نظام الدین، علامہ شمس الہدیٰ اور جامعہ اشرفیہ کے دیگر اساتذہ کے ساتھ آٹھ نو دن میٹنگیں ہوتی رہیں۔ ناظم جامعہ جناب محمد سرفراز صاحب نے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کیں۔ پچیس تیس کتابوں کے بارے میں طے پایا کہ انہیں ان کے موجودہ حواشی کے ساتھ شائع کر دیا جائے، کیونکہ ان پر علماء اہل سنت ہی کے حواشی ہیں، البتہ ان میں سے ہر ایک کا ٹائیٹل اس طرح تیار کیا کہ پہلے صفحے کے اوپر کتاب کا نام دیا جائے مثلاً: الفوائد الضیائیۃ المشتہرۃ ب شرح جامی، اس کے بعد شرح جامی کے متن کافیہ کے مصنف، پھر شارح اور محشی کی تاریخ پیدائش و وفات کی تصریح کے ساتھ نام لکھا جائے، ابتدا میں ایک دو صفحے میں ان حضرات کا مختصر تعارف شامل کیا جائے۔

اسی جستجو میں یہ بات سامنے آئی کہ "ہدایۃ النحو"، "شرح نخبۃ الفکر" اور "جلالین شریف" پر محشی کا نام لکھا ہوا نہیں ہے، علامہ محمد احمد مصباحی لائبریری سے کتاب کا ایک کے بعد دوسرا نسخہ منگواتے رہے، یہاں تک کہ ہدایۃ النحو کا ایک ایسا نسخہ مل گیا جس پر واضح طور پر مولانا علامہ الٰہی بخش فیض آبادی کا نام بحیثیت محشی لکھا ہوا تھا، شرح نخبۃ الفکر کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس پر علامہ مفتی عبداللہ ٹونکی کا حاشیہ ہے، جلالین پر مولانا علامہ ارشاد حسین رامپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد (غالباً مولانا سلام اللہ رامپوری کے از اولاد شیخ عبدالحق

محدث دہلوی) کا حاشیہ ہے، راقم نے ازراہ تفنن تبصرہ کیا کہ جس کتاب پر مصنف یا محشی کا نام لکھا ہوا نہ ہو سمجھ لیں وہ کسی سنی عالم ہی کی تصنیف ہوگی، کسی دیوبندی کی تصنیف نہیں ہوسکتی، یہ لوگ تو دوسروں کی تصانیف پر اپنا نام لکھنے سے نہیں چوکتے۔ اس کی تازہ مثال شرح جامی کا اردو ترجمہ ہے جو اہل سنت کے مشہور فاضل مفتی غلام سرور قادری (لاہور) نے کیا اور پاکستان میں ان کے نام سے چھپا، وہی ترجمہ ہندوستان سے ایک دیوبندی عالم کے نام سے چھپا، پھر اسی نام سے پاکستان میں بھی چھپ گیا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ کچھ کتابوں کے بارے میں تجویز ہوا کہ ان پر نئے حواشی لکھوائے جائیں۔

اسی سفر میں دھلی پہنچا تو مکتبہ رشیدیہ سے ایک رسالہ "حمد باری" خریدا جس پر جلی حروف میں محشی صاحب کا نام قاضی سجاد حسین لکھا ہوا ہے، لیکن مصنف کا نام غائب ہے، اس لئے کہ وہ سنی عالم دین مولانا عبدالسمیع رامپوری مصنف انوار ساطعہ ہیں، اسی مکتبہ سے ایک "اردو قاعدہ" خریدا اس پر بھی مرتب کا نام لکھا ہوا نہیں ہے، راقم کی رائے ہے کہ یہ مولانا غلام قادر بھیروی یا مولانا نور بخش توکلی رحمہما اللہ تعالیٰ کا مرتب کردہ ہے اور یہ دونوں سنی عالم دین تھے، دونوں نے اردو قاعدہ مرتب کیا تھا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے ساتھ کیوں ہو رہا ہے؟۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے مکتبہ قائم کرنے اور لٹریچر کی اشاعت پر توجہ نہیں دی اور نہ ہی اس کی اہمیت کو محسوس کیا۔ ورنہ یہ کیسے ہوسکتا تھا؟ کہ نسائی شریف، عربی پر محدث جلیل حضرت مولانا وصی احمد سورتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حاشیہ (ہر صفحے پر اردو رسم الخط میں) موجود ہو اور کتاب کے ٹائٹل پر ان کا نام ہی درج نہ ہو۔

یہ سب کچھ تو بطور تمہید تھا، دراصل عرض یہ کرنا چاہتا تھا کہ مبارکپور میں یادگار اسلاف، بحرالعلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی مدظلہ العالی شیخ الحدیث شمس العلوم، گھوسی سے بھی (۲۷؍اکتوبر ۲۰۰۰ء کو) شرف نیاز حاصل ہوا۔ بڑی شفقت ومحبت سے پیش آئے، دوران ملاقات انہوں نے ایک کتابچے کا مسودہ دکھایا جس میں صدرالشریعۃ،

بدرالطریقۃ مولانا محمد امجد علی اعظمی (صاحب بہار شریعت) رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات زندگی (اجمیر شریف کی تدریس کے زمانے تک) بزبان صدرالشریعہ لکھے گئے تھے، اس کتابچے میں حضرت صدرالشریعۃ کے ایک حج کا تذکرہ ہے، دوسری دفعہ حرمین شریفین کی حاضری کے ارادے سے ممبئی پہنچے اور ۲؍ذیقعدہ، ۶؍ستمبر بروز دوشنبہ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء، کو وہیں رب کریم کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ راقم کی درخواست پر انہوں نے اس کی فوٹو کاپی بنوادی، یہی کتابچہ رضا اکیڈمی، لاہور شائع کرکے ہدیہ قارئین کر رہی ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی مدظلہ العالی بہترین مدرس، ماہر حدیث محدث، عمدہ خطیب، شاندار قلم کار اور سینکڑوں مشاہیر علماء ومشائخ کے استاد ہونے کے باوجود، سادگی، اخلاق عالیہ، تواضع وانکسار کا پیکر ہیں، مسلسل محنت تو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ اہل سنت وجماعت پر انکا عظیم احسان یہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ کی تیسری اور چوتھی جلد کی اشاعت میں حضرت علامہ مولانا عبدالرؤف رحمہ اللہ تعالیٰ کے معاون رہے، ۱۳؍شوال ۱۳۹۱ھ کو ان کی وفات کے بعد چار جلدوں (8,7,6,5) کی اشاعت کا اہتمام کیا، اور اب جلد نمبر ۹ کی ترتیب کا کام کر رہے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی غیر مطبوعہ اور اہم عربی کتاب "شمائم العنبر فی أدب النداء بین یدي المنبر" نہ صرف مرتب کی بلکہ اس کا ترجمہ بھی کیا، جسے رضا اکیڈمی، ممبئی نے شائع کیا ہے۔ مختصر یہ کہ تمام اہل سنت وجماعت ان کی مساعی جمیلہ کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

حضرت بحرالعلوم مولانا علامہ مفتی عبدالمنان ابن شیخ حاجی عبدالغنی انصاری ۷؍ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء کو مبارکپور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے، پانچ سال کی عمر میں دارالعلوم اشرفیہ میں داخل ہوئے، جو اُس وقت ایک مدرسہ کی شکل میں تھا اور اب بحمدہ تعالیٰ مجوزہ یونیورسٹی کی سطح تک پہنچ چکا ہے، ۲۲ سال کی عمر میں ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء، میں فراغت حاصل کی، اس سال محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا علامہ محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے

امتحان لیا اور اپنی رائے بایں الفاظ تحریر کی:

دورۂ حدیث کے طلبہ کا امتحان لیا، طلبہ نے بہت اچھا امتحان دیا، دورۂ حدیث کے ایسے طلبہ جو امسال فارغ ہو رہے ہیں، پنجاب و ہند کے دیگر مدرسوں میں کمیاب ہیں (سردار احمد ۱۴؍جمادی الآخری ۱۳۶۶ھ)

حضرت مفتی صاحب نے اول تا آخر تعلیم جامعہ اشرفیہ، مبارکپور سے حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں حافظ ملت مولانا حافظ عبدالعزیز مرادآبادی سربراہ جامعہ اشرفیہ، علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری اور علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری تھے رحمہم اللہ تعالیٰ

فراغت کے بعد ایک سال مدرسہ ضیاء الاسلام، پرانا گورکھپور، سات سال مدرسہ انوار العلوم تلشی پور، ضلع گونڈہ میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے، شوال ۱۳۷۵ھ؍۱۹۵۶ء میں دارالعلوم اشرفیہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے، پھر ۱۳۸۷ھ میں افتاء کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی، بعد میں شیخ الجامعہ بھی بنا دیے گئے- لیکن ناگفتہ بہ حالات کی بنا پر ۱۴۰۴ھ؍۱۹۸۳ء میں مستعفی ہو گئے- مدرسہ شمس العلوم، گھوسی کے منتظمین کو معلوم ہوا تو وہ انہیں بصد اصرار اپنے دارالعلوم میں لے آئے، اس وقت سے اب تک شمس العلوم میں مسند شیخ الحدیث پر فائز ہیں، افتاء کی ذمہ داری بھی ادا کر رہے ہیں- یاد رہے کہ گھوسی ایک قصبہ ہے جو مبارکپور سے تیس پینتیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، اسی قصبہ میں صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شمس العلوم کی بنیاد رکھی تھی- جس میں آج تین سو طالب علم تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اسی قصبہ میں طلبہ و طالبات کے لئے جامعہ امجدیہ کے عظیم ہوسٹل واقع ہیں جن میں طلباء اور طالبات کی کثیر تعداد تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہے- حضرت صدر الشریعہ کی کرامت یہ ہے کہ گھوسی کے تقریباً ہر گھر میں دو علماء موجود ہیں-

آپ کو فرائض تدریس انجام دیتے ہوئے تقریباً ساٹھ برس ہو گئے ہیں، اس عرصے میں نامور علماء و فضلاء نے آپ سے اکتساب فیض کیا، چند نام درج ذیل ہیں:

۱-☆ مولانا عبداللہ خان عزیزی شیخ الحدیث والقرآن-

۲-☆ مولانا علامہ سید محمد مدنی میاں، بین الاقوامی خطیب اور پیر طریقت-

۳-☆ مولانا قمر الزماں اعظمی مبلغ اسلام (انگلینڈ)-

۴-☆ مولانا علامہ یٰسین اختر مصباحی، ادیب، مفکر اسلام (دہلی)-

۵-☆ مولانا علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی (مبارکپور) وغیرہم-

۹؍رجب ۱۳۶۵ھ؍۱۹۴۶ء کو محلہ پرانی بستی، قصبہ مبارکپور کے شیخ عبدالغفور انصاری کی صاحبزادی سے نکاح ہوا- آپ کے ایک عالم و فاضل صاحبزادے اور تصنیف و تالیف کے شیدائی مولانا محمد احمد مصباحی رحمہ اللہ تعالیٰ جواں سالی میں انتقال کر گئے، دوسرے صاحبزادے مولانا شکیب ارسلان زید مجدہٗ مبارکپور میں وسیع مکتبہ "حق اکیڈمی" کے نام سے چلا رہے ہیں اور اپنے عظیم والد کی طرح سراپا اخلاق ہیں-

حضرت کی زیادہ تر توجہ فتاویٰ رضویہ کی ترتیب و اشاعت کی طرف رہی، اس کے باوجود آپ کی چند تصانیف منظر عام پر آئی ہیں-

۱- **الشاهد**: مولوی عبدالرؤف جھنڈے نگری (غیر مقلد) کے رسالہ "تردید حاضر و ناظر" کا جواب-

۲- **بدعت کیا ہے؟** موضوع نام ہی سے ظاہر ہے-

۳- **ازالۂ اوہام**: برجونالہ کلکتہ کے آس پاس ایک جاہل ریٹائرڈ پولیس مین کے اعتراضات کا جواب-

۴- **ندائے یارسول اللہ**: پالن حقانی کی ایک تقریر کا جواب-

۵- ۱۹۷۴ء میں سفر حج کے دوران احادیث نبویہ کا ایک منتخب مجموعہ ساتھ تھا اس کا ترجمہ کیا-

۶- سیرت مبارکہ پر ایک مفید کتاب "**محمد مثل الکامل**" کا ترجمہ کیا-

۷- امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف لطیف "**شمائم العنبر**" کی تصحیح اور ترتیب کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی کیا جو پاک و ہند میں چھپ چکا ہے-

۸- **مضامین بحر العلوم**: آپ کے متفرق مقالات آپ کے فاضل صاحبزادے

مولانا محمد احمد مصباحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مرتب کر کے مفتی پبلی کیشنز، مبارک پور کی طرف سے شائع کیے۔[1]

اہل سنت و جماعت کا پاک و ہند میں عمومی مزاج یہ ہے کہ مختلف تقریبات میں زر کثیر کھانے پینے کی چیزوں پر خرچ کر دیتے ہیں، اس کے برعکس رضا اکیڈمی، ممبئی (انڈیا) اور رضا اکیڈمی، لاہور (پاکستان) نے رسائل و کتب کی اشاعت کی طرف زیادہ توجہ دی اور ارباب قلم کی حوصلہ افزائی کی اہمیت محسوس کی، چنانچہ رضا اکیڈمی، ممبئی نے اس وقت تک چھ ایسے ارباب قلم کو امام احمد رضا ایوارڈ اور نقد رقم پیش کی ہے جنہوں نے اسلام اور رضویات کے موضوع پر کام کیا ہے، ۱۹۹۴ء میں حضرت مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی کو امام احمد رضا ایوارڈ اور پچیس ہزار روپے نقد پیش کیے، مولائے کریم جل مجدہٗ اراکین رضا اکیڈمی، ممبئی کو جزائے خیر عطا فرمائے اور تمام اہل سنت و جماعت کو یہ شعور عطا فرمائے کہ اپنی رقوم تعمیری کاموں پر صرف کریں، صرف کھانے پینے اور گنبد بنانے پر صرف نہ کریں۔

حضرت بحر العلوم سے گزارش ہے کہ انہوں نے حضرت صدر الشریعہ کے شاگردوں سے استفادہ کر کے جو کچھ مواد قلم بند کیا ہے وہ بھی ہمیں عطا فرمائیں تاکہ اسے بھی شائع کیا جائے۔

اے رب العالمین! رضا اکیڈمی لاہور، رضا اکیڈمی، ممبئی کے اراکین کو دین و دنیا کی دولتوں سے مالا مال فرما، جو صالح لٹریچر شائع کر کے تقسیم کرتے ہیں اور اسی طرح دین متین کا پیغام پھیلانے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

۱۱ر صفر ۱۴۲۲ھ
۶ر مئی ۲۰۰۱ء

محمد عبد الحکیم شرف قادری برکاتی
شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ناظم تعلیم و تربیت جماعت اہل سنت پاکستان

[1] مفتی صاحب کے یہ حالات مضامین بحر العلوم کے ابتدا میں تعارف مصنف (ص ۵ تا ۲۰) تحریر علامہ محمد احمد مصباحی رحمہ اللہ تعالیٰ اور سوغات رضا، مرتبہ مجاہد سنیت محمد سعید نوری شائع کردہ رضا اکیڈمی، ممبئی سے لئے گئے ہیں، اس کتاب میں مفتی صاحب کے خود نوشتہ حالات درج ہیں۔ ۱۲ شرف قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

بچپن ہی سے مجھے قصوں، کہانیوں سے شغف رہا ہے۔ جب شعور کچھ پختہ ہوا تو انکی جگہ تاریخ اور سیرت و سوانح نے لے لی، جن میں بزرگان دین اور اولیاء کرام کے تذکروں نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ ان تذکروں میں سبب تالیف کے سلسلہ میں انکے مولفین نے یہ بھی تحریر کیا ہے۔ ''کہ ہم نے یہ کتاب اس لئے تصنیف کی ہے کہ جن بزرگوں کے ظاہری جسم کی برکات شرف و قرب سے ہم محروم ہو گئے ہیں، ان کی تعلیم اور ان کے کردار کی سعادتوں سے کیوں محروم رہیں؟۔''

میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آجکل بھی ایسے بہت سے حضرات موجود ہیں جن کا وجود مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کو زندگی کی حرارت اور جدوجہد کی طاقت بخش رہا ہے۔ جنکی پرتاثیر زندگی اور حیات بخش افکار و خیالات سے ایک بڑا گروہ غیر معمولی طور پر متاثر ہے۔ پس کیوں نہ ان کے حالات بھی جمع کر کے شائع کیے جائیں۔ جو اپنی ذات و صفات سے ایک پوری قوم کیلئے رہنمائی کا سرچشمہ ہیں، ظاہر ہے کہ ان کے حالات بھی آئندہ نسل کیلئے مشعل راہ ثابت ہونگے۔

میرے اس خیال کو مہمیز ایک جذبۂ رشک نے بھی کیا۔ میں دیکھتا تھا کہ دیگر طبقات کے مشاہیر جو اپنی تاثیری قوت اور عددی طاقت میں میرے نزدیک نہایت بونے اور حقیر واقع ہوئے ہیں، تذکرہ نگاروں کے چابکدست قلم نے انہیں نہایت دراز قد اور بھاری بھرکم بنا ڈالا ہے۔ اور انکی زندگی میں ہی اس کثرت کے ساتھ اس کے حالات شائع کیے گئے کہ تحریری سطح پر وہی لوگ اہل اسلام کی آبرو ہو کر رہ گئے ہیں۔ جبکہ ان کے مقابل دوسرے حضرات جو حقیقۃً ملت کا خیر اور قوم کی روح تھے۔ جو اپنی ظاہر حیات میں رشد و ہدایت کے افق پر آفتاب بن کر چھائے رہے۔ پردہ کرتے ہی صفحۂ قرطاس سے ایسا غائب ہوئے کہ کوئی انکا حال بتانے والا نہ رہ گیا۔ حالانکہ قوم پر ان کا حق تھا کہ ان کے بعد انکی یاد تازہ رکھتی۔

تو گویا قوم کے سر سے یہ بوجھ ہلکا کرنے کا خیال بھی اسکا محرک ہوا- کہ ان بزرگوں کے حالات جمع کر کے شائع کیے جائیں-

ایسے حضرات کی ایک طویل فہرست ہے، جن کے ساتھ میرا احترام وعقیدت کا رشتہ ہے، جیسے "اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی" علیہ الرحمۃ، مجدد خاندان اشرفیہ حضرت "شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں" علیہ الرحمۃ، قائد حریت حضرت مولانا "فضل حق خیر آبادی" رحمۃ اللہ علیہ، حجۃ الاسلام مولانا "حامد رضا" علیہ الرحمۃ والرضوان، مفتی اعظم ہند حضور مولانا شاہ "مصطفی رضا خان" مدظلہ، حضرت مولانا "سید سلیمان اشرف" فاضل بہاری مرحوم و مغفور، صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی صاحب "مصنف بہار شریعت قدس سرہ، استاذ العلماء حضرت مولانا "سید نعیم الدین صاحب" نور اللہ ضریحہ، مولانا ہدایت رسول لکھنوی، مولانا "فضل رسول بدایونی"، مبلغ اسلام حضرت مولانا "عبد العلیم صدیقی میرٹھی" علیہم الرحمۃ والرضوان-

لیکن نمونۃً میں نے صدر الشریعہ حضرت مولانا "امجد علی" صاحب علیہ الرحمۃ کو منتخب کیا جن سے میں نسبۃً قریب بھی تھا، اور جن کے حالات جمع کرنا میرے نزدیک سھل الحصول بھی تھا-

یہ ذکر اب سے تقریباً پچیس سال قبل (رمضان ۱۳۶۵ھ) کا ہے جبکہ میں اشرفیہ میں طالب علم تھا- چنانچہ میں نے اپنے اس خیال کا ذکر اپنے استاذ حضرت مولانا "عبد المصطفیٰ ازہری" صاحب مدت فیوضہ سے کیا- جو اُس وقت اشرفیہ میں مدرس تھے- اور اس وقت حضرت "صدر الشریعۃ" کے سب شاہزادوں میں بڑے وہی ہیں- حضرت "ازہری" صاحب موصوف مجھے اپنے ساتھ رمضان شریف کی تعطیل میں گھوسی لے گئے- اور حضرت "صدر الشریعۃ" سے عرض کی، اس کا یہ خیال ہے- اور ظاہر ہے کہ "ہندوستان" میں اہل سنت و جماعت کا جو کام حضرت "مجدد مائۃ حاضرہ" مولانا شاہ "احمد رضا خان صاحب" بریلوی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ہوا ہے- اسکا آپ سے زیادہ جاننے والا

اور کون ہوگا؟ اور اس سلسلہ میں "ازہری صاحب" نے "اعلیٰ حضرت" کے ترجمہ کلام پاک کا خاص طور سے ذکر کیا، کہ اس کی صحیح تعریف آپ ہی بتا سکتے ہیں-

پہلے تو آپ نے ٹالنا چاہا، پھر کچھ ردوکد کے بعد تیار ہوگئے، اور روزانہ تھوڑے تھوڑے حالات لکھوانے لگے- تقریباً دس یوم یہ سلسلہ جاری رہا- اور حضرت کے قیام اجمیر شریف تک کے حالات قلم بند ہو سکے تھے کہ ۲۰ ر رمضان کی تاریخ آگئی، اور حضرت نے حسب معمول اعتکاف فرمایا- اور مجھے فرمایا "میاں اب خدا کے گھر میں، وہ بھی حالت اعتکاف میں اپنا ذکر، اپنے ہی منہ سے مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا، اور اس کے بعد کے حالات تو حافظ عبد العزیز، مولوی سردار احمد صاحبان (جلالۃ العلم، حافظ ملت مولانا حافظ عبد العزیز محدث مرادآبادی بانی جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، انڈیا اور محدث اعظم پاکستان مولانا علامہ ابو الفضل محمد سردار احمد چشتی قادری، فیصل آباد---- رحمہما اللہ تعالیٰ ۱۲- شرف قادری) اور بہت سے لوگوں کو معلوم ہیں، انہیں لوگوں سے مکمل کر لینا" گویا جو بات دل پر جبر کر کے شروع فرمائی تھی- اس سے بچنے کیلئے ایک معقول عذر ہاتھ آگیا- اور یہ سلسلہ ختم ہوگیا- لیکن اب جو حالات میرے سامنے آئے تو میں کہتا ہوں، اے کاش رمضان کی تاریخیں کچھ اور کھسک گئی ہوتیں یا میں ہی کچھ روز اور پہلے پہنچا ہوتا-

مختصر یہ کہ اپنی اس ابتدائی کامیابی پر میں نہایت خوش خوش واپس لوٹا- اور خیال ہوا کہ حضرت کے تمام شاگردوں کے پاس ایک ایک خط روانہ کردونگا، اور مہینوں میں ایک مکمل سوانح عمری تیار ہو کر منصۂ شہود پر آجائے گی- مگر افسوس سے اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

آج سالہا سال کے بعد بھی پورے حالات جمع نہ ہو سکے، خط کا جواب خیر کیا ملتا؟ بالمشافہ عرض معروض میں بھی سو طرح کے جواب، کسی نے فرمایا- "کیا بتائیں؟ کبھی اس خیال سے صدر صاحب (حضرت صدر الشریعہ) کی زندگی کا مطالعہ ہی نہیں کیا تھا کہ اس پر مضمون لکھنا ہوگا-" کسی نے کچھ، اور کسی نے کچھ،

الغرض تھک ہار کر یہ سوچا ان حضرات سے خود ان کے حالات زندگی دریافت کئے

جائیں، ہوسکتا ہے ان کے ضمن میں "صدر الشریعہ" کے کچھ حالات مل جائیں-اس کے لئے بھی مجھے کافی پاپڑ بیلنے پڑے، اور کافی وقت صرف ہوا-ہر شخص کے پاس جا کر حالات دریافت کر کے خود تحریر کیا اس طرح کچھ حضرات کے حالات کا ایک ذخیرہ جمع ہوگیا ہے-اور بقول شخصے ۔ لخت دل جمع کیا کتنے تو دیوان کیا----مگر ان حالات میں جو کچھ ہوسکتا تھا اس کے بارے میں کیا ذکر کیا جائے؟-

"تصوف" کی کتابوں میں "صوفیوں" کے ایک "فرقہ" کا حال ملتا ہے-جو نہ صرف یہ کہ اپنے نیک اعمال کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپاتا ہے-بلکہ کچھ ایسے افعال بھی کرتا ہے جن سے بظاہر عوام ان سے متنفر ہوجائیں-اور وہ یکسو ہو کر ذکر وفکر میں مصروف رہ سکیں-
اس جدوجہد کے سلسلہ میں مجھے یہ تجربہ ہوا، کہ میں جن بزرگوں کے حالات جمع کر رہا ہوں، وہ بھی اپنی خوبیوں کے "اخفاء" میں اس حد تک تو نہیں مگر متذکرا الصدر طبقہ سے کچھ نہ کچھ متاثر ضرور ہیں، اور اس ڈر سے کہ کہیں ریاکاری یا خودستائی نہ ہوجائے-تحدیث نعمت سے بھی گریز کرتے ہیں اور اگر کہیں ایسا ذکر درمیان میں آپڑے تو اس سے صاف دامن بچا لیتے ہیں-

مجاہد ملت حضرت "مولانا حبیب الرحمان" صاحب رئیس اڑیسہ، ایک بہت بڑے جاگیردار اور نہایت دریا دل بزرگ ہیں، طالب علمی کے عہد سے صدر مدرسی کے زمانہ تک ضرورت مند طالب علموں کی ایک بھیڑ رکھتے تھے-جن کے کفیل یہ خود ہوتے-ملازمت کے زمانہ میں کبھی بھی انہوں نے تنخواہ نہیں لی-مگر ان کے حالات میں خود ان کے بیان میں آپ اسکی بو تک محسوس نہ کرسکیں گے-کہ یہ ایک امیر کبیر اور فیاض زمیندار کی روداد حیات ہے-

حاجی مولوی "مبین الدین" صاحب صدر المدرسین مدرسہ مظہر اسلام بی جی. فرمانے لگے، "صدر الشریعہ صاحب" سے متعلق بہت سے واقعات میں اپنی مدح کا پہلو بھی نکلتا ہے، اس لئے خودستائی کے خوف سے میں نے انہیں تحریر نہ کیا-اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان بزرگوں کے حالات فراہم کرنا کتنا مشکل کام ہے؟-

پھر جو کچھ بھی جمع ہوا، اس ذخیرۂ حالات میں سے "صدر الشریعہ" علیہ الرحمۃ کے حالات کی جمع اور ترتیب وہ بھی اسی طریقہ پر، پھر جدید سوانحی انداز سے ان کے کارناموں پر مفید اور کتابوں پر تبصرہ، اس کے لئے کافی فرصت اور وسیع مطالعہ اور طویل تجربہ کی ضرورت ہے، اور یہاں ہر چیز عنقاء ہے-ادھر عمر گریزاں ہوا پر سوار اڑی چلی جارہی ہے-خوف یہ ہے کہ جو کچھ بھی ہوا ہے-نذر حوادث روزگار نہ ہوجائے-اس لئے خیال ہوا کہ جتنا کچھ ہے اور جس بے ترتیبی سے ہے-یونہی چھاپ دیا جائے-اسمیں اور کچھ خوبی نہ ہوگی تو حقیقت کی بے ساختگی تو ضرور ہوگی اور پھر ممکن ہے کہ انہیں متفرق اوراق سے آئندہ کوئی مفید سوانحی مسودہ تیار ہوجائے-کوئی اللہ کا بندہ پیدا ہوجائے-

اسی وجہ سے اب اس مجموعہ کی صورت کچھ اور ہوگئی-یہ چند بزرگوں کے حالات کا ایک مجموعہ ہے-جس میں کہ عبرت وبصیرت کیلئے سامان کے ساتھ ساتھ معارف حکم بھی بکھرے ہوئے ہیں-پھر ہر ایک کے حالات میں خود صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے کچھ حالات بھی آگئے ہیں-(اس وقت صرف صدر الشریعہ کے حالات ہی میسر آسکے ہیں لہذا ان ہی کی اشاعت کو غنیمت جانا جارہا ہے-۱۲، شرف قادری)

حالات جمع کرنے میں عموماً میرا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ ایک "دو نشست" میں بیٹھ کر کچھ واقعات سن لئے، پھر تنہائی میں انہیں اپنی یاد سے قلمبند کرلیا-پھر متعلقہ حضرات کو دوبارہ سنا دیا-پھر بھی اس میں کسی قسم کی کوتاہی ہو-تو آپ اسے میرے قلم کی خامی تصور کریں، ان اصحاب کا دامن اس غلطی سے پاک ہے-اور میں مشکور ہونگا، اگر مجھ کو میری غلطیوں پر مطلع کیا جائے-

۲۲رشعبان ۱۳۹۰ہجری

عبدالمنان
اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور-انڈیا-

ابتدائی تعلیم:-

بالکل ابتدائی تعلیم اپنے دادا مولانا خدا بخش صاحب مرحوم سے حاصل کی-ان کے وصال کے بعد مولوی الٰہی بخش صاحب ساکن دیا گنج ضلع اعظم گڑھ تلمیذ مولوی تراب علی صاحب لکھنوی سے کچھ پڑھا جو یہیں گھوسی کے مدرسہ میں مدرس تھے اور یہیں کچھ دنوں سے پڑھاتے رہے تھے-مگر یہ زمانہ ایسا تھا کہ کوئی شخص بھی نہ تعلیم کا مکلف تھا نہ نگراں تھا پھر بچپن کا زمانہ بہر صورت کئی سال تک بے انتظامی کے ساتھ تعلیم کا کچھ معمولی سا سلسلہ جاری رہا-

مولانا ہدایت اللہ خان جونپوری علیہ الرحمہ کی خدمت میں:-

پھر غالباً ابتدائے شوال ۱۳۱۴ھ جونپور کا سفر کیا-اس زمانہ میں ریل گاڑی نہ تھی اور سواری کے انتظام میں دشواری تھی، یہاں سے اعظم گڑھ تک پیدل پھر وہاں سے جونپور اونٹ گاڑی پر پہنچے اور مدرسہ حنفیہ میں اپنے برادر عزیز اور مولوی محمد صدیق صاحب کے پاس قیام کیا-خود مولوی محمد صدیق صاحب اور مولانا سید ہادی حسن صاحب جو حضرت مولانا محمد ہدایت اللہ خان صاحب علیہ الرحمہ کے شاگرد تھے اور اس مدرسہ میں مدرس دوم تھے-ان لوگوں سے کچھ دنوں تعلیم حاصل کی-تھوڑے زمانہ کے بعد حضرت مولانا ہدایت اللہ خان صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے ذمہ تعلیم لے لی-

اول باآخر نسبتے دارد:-

شروع ہی سے پڑھانے کا شوق زیادہ تھا یہاں تک کہ کافیہ، تہذیب اور شرح تہذیب پڑھنے کے زمانہ میں ان سے نیچے کی تمام کتابیں طلباء کو پڑھایا کرتے تھے، چونکہ بڑے اساتذہ کو نیچے کی کتابوں کی تعلیم میں پوری دلچسپی نہیں ہوتی-سمجھ دار طالب علم اس بات کی جستجو میں رہتا ہے کہ کوئی شخص کوشش کے ساتھ ہمیں تعلیم دے، اس نظریے کے ماتحت طلباء کی رجوع روز بروز زیادہ ہوتی رہی-جتنا خود اوپر کے درجہ کی تعلیم میں ترقی کرتے جاتے تھے، اسی انداز سے پڑھانے کا سلسلہ برابر بڑھتا ہی جاتا تھا-سبق پڑھنے کے بعد ان کا سارا

وقت بلکہ رات کا بھی کچھ حصہ پڑھانے میں صرف ہوتا تھا-

حضرت مولانا ہدایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ درس:-

حضرت استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ خان صاحب علیہ الرحمہ اپنی خاص توجہ مبذول فرماتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ تعلیم کی دیکھ بھال کرتے تھے، ان کا مخصوص طلبہ کے ساتھ طریق تعلیم یہ تھا کہ سارا بوجھ طالب علم کے ذمہ ہوتا تھا، خود صرف اغلاط پر تنبیہ فرمایا کرتے تھے، نہ عبارت پڑھنے میں طالب علم کی کوئی مدد پہنچاتے تھے نہ ترجمہ کرنے میں اگر طالب علم نے عبارت غلط پڑھ دی یا ترجمہ غلط کیا تو اس عبارت کے غلط پڑھنے یا ترجمہ غلط کرنے کی وجہ دریافت کرتے کہ یہاں ایسا کیوں پڑھا؟ غرض یہ کہ طالب علم کو اپنی کوشش سے عبارت کو صحیح کرنا پڑتا تھا اور ترجمہ بھی عبارت کے مطابق کرنا پڑتا تھا-یہ تو معمولی باتیں ہیں جن کو بعض دیگر اساتذہ بھی برت لیا کرتے تھے-اگرچہ یہ اس زمانہ میں بھی نادر تھا، مگر مولانا کی یہ خصوصیت خاصہ تھی کہ کتاب فہمی کا پورا بار طالب علم کے سر پر رکھا کرتے تھے-جس طرح سے عموماً اساتذہ کا دستور ہے کہ تقریر کیا کرتے ہیں اور اپنی تقریر سے مضمون کو طلباء کے ذہن نشین کیا کرتے ہیں، ان کے یہاں ایسا نہ تھا بلکہ طالب علم کو مطالعہ ایسا کرنا پڑتا تھا کہ کتاب کا پورا مضمون مطالعہ ہی کے ذریعہ سے ذہن نشین ہوتا اور استاد کے پاس سبق میں مطالعہ میں سمجھا ہوا مضمون پیش کرنا پڑتا تھا، اگر صحیح ہے فبہا اور غلطی ہو تو اگر وہ اس کی استعداد سے زائد ہے تو مولانا اپنی تقریر سے طالب علم کی غلطی کا ازالہ فرماتے اور صحیح مطلب ذہن نشین کراتے اور ایسی غلطی ہوتی جو اس طالب علم کے لئے نہیں ہونی چاہیے تو حضرت مولانا اس کی تقریر پر اعتراض کر دیا کرتے اور یہ بتاتے کہ کتاب کے اس لفظ سے یہ مضمون کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ طالب علم کو اپنے سبق میں یہ بھی بتانا پڑتا تھا کہ مصنف نے یہ کہا تھا اس پر شارح نے یہ کہا اور محشی نے یہ، یعنی مضمون کا پورا سلسلہ اور مصنف، شارح اور محشین کے اقوال کا ماحصل بتانا اور ان میں فرق دکھانا اگر کچھ فرق ہو ضروری ہوا کرتا تھا-

ایک استاد ایک طالب علم:-

چونکہ حضرت مولانا اس قدر کاوش کے ساتھ تعلیم دیا کرتے تھے اس وجہ سے ان
کے پاس نہ بہت سے طلباء پڑھتے تھے اور نہ بہت زیادہ اسباق، عموماً یہی ہوتا کہ دو یا تین
طالب علموں کو خود پڑھاتے، باقی طلباء ان کے طالب علموں سے یا دیگر مدرسین سے پڑھا
کرتے تھے اور عموماً یہ بھی ہوتا تھا کہ طلباء کے اسباق انفرادی طور پر ہوتے تھے بہت کم ایسا
ہوتا تھا کہ کسی کتاب میں دو یا تین شخص شریک ہوں۔

قدیم طرزِ تعلیم کے اثرات:-

اس کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ طالب علم کو اپنی تعلیم کی پوری ذمہ داری محسوس کرنی پڑتی
تھی اور سبق پڑھنے کیلئے پورے طور پر تیار ہونا پڑتا تھا، کیونکہ اگر تیاری نہ کرتے تو مولانا کے
سامنے اس طرح سے کیونکر پڑھ سکتا تھا؟ جس کا ذکر اوپر ہوا۔

حضرت مولانا کا علمی منصب:-

حضرت مولانا ہدایت اللہ خان صاحب علیہ الرحمہ اپنے زمانہ میں گویا ایک منفرد
شخصیت کے مالک تھے۔ منطق و فلسفہ اور اصول فقہ کی تعلیم ان کا مخصوص حصہ تھا۔ حضرت
مولانا خاتم المحققین، عمدۃ الحکماء والمتکلمین سیدنا و مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کے
ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ مدتوں انکی خدمت میں رہ کر علوم و فنون کی تکمیل فرمائی۔ زمانہ
جنگ آزادی میں بھی مولانا خیر آبادی علیہ الرحمہ کے ساتھ ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ
جزیرہ انڈیمان بھیج دئے گئے، اس کے بعد استاد سے جدائی ہوئی اور خود مستقل طور پر مسند
درس پر متمکن ہوئے اور تشنگان علوم کو اپنے فیوض سے سیراب کرتے رہے۔ اکثر و بیشتر
ہندوستان کے منتخب اور چنے ہوئے طلباء مخصوص کتابوں کو پڑھنے کیلئے ان کے پاس حاضر ہوا
کرتے تھے۔

حضرت مولانا کا درس:-

شفاء، افق المبین اور تجرید مع حواشی قدیمہ و جدیدہ اور شرح اشارات مع محاکمات
وغیرہ یا اس قسم کی کتابیں تقریباً ہمیشہ پڑھایا کرتے تھے۔ زواہد ثلثہ (میر زاہد ملا جلال، میر زاہد
رسالہ قطبیہ، میر زاہد امور عامہ) میں ہندوستان میں یگانہ مانے جاتے تھے۔ ان میں سے ہر
ایک کے ساتھ حاشیہ بحر العلوم کی تعلیم بھی ضروری جانتے تھے۔

صدر الشریعہ پر آپ کا خاص کرم:-

مگر آپ پر حضرت استاذ الاساتذہ کا یہ خاص کرم تھا کہ ابتدائی تعلیم بھی اپنے ذمہ
رکھی یعنی شرح تہذیب سے ہی خود پڑھانا شروع کیا اور معقولات کی آخری کتابوں تک تعلیم
دی۔

مدرسہ کے طلباء کی نگرانی:-

حضرت مولانا عموماً جملہ طلباء کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی فرماتے اور
خصوصیت کے ساتھ مولانا محمد صدیق صاحب اور مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری،
ان صاحبوں پر ان کا مخصوص کرم تھا۔ کبھی کبھی شب میں بھی مدرسہ میں دورہ کیا کرتے تھے اور
طلباء کو دیکھا کرتے تھے کہ وہ موجود ہیں یا غائب؟ کتابوں کا مطالعہ کر رہے ہیں یا لہو و لعب
میں مشغول ہیں؟-

عربی تعلیم کا ماضی و حال:-

آج سے چالیس پچاس سال پیشتر تعلیم کا یہی حال تھا، اسی وجہ سے اس زمانہ میں
قابل علماء پیدا ہوتے تھے۔ اساتذہ کے ذمہ یہ پابندی ہوتی تھی کہ وہ اتنا پڑھائیں اور اتنے
دنوں میں یہ کتاب ختم کروائیں، چاہے طالب اس کتاب کے پڑھنے کے لائق ہو یا نہ ہو مدرس کے
ذمہ اس کو داخل درس کرنا ضروری ہے۔ یہی سب تعلیم کے خراب ہونے کے اسباب ہیں،
جن کی طرف آج مدارس میں توجہ نہیں کی جاتی۔ اگرچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مدرسین کی رائے پر
یہ کام چھوڑ دیا جائے تو اس زمانے کے اکثر مدرسین اپنے فرائض کو محسوس نہ کرتے ہوئے

مدارس کا ستیاناس کردیں گے، مگر آج کل کا زمانہ دیکھتے ہوئے کچھ ایسے انتظامات کئے جاسکتے ہیں کہ تعلیم اچھی ہو اور اس کا معیار بلند ہو۔ قابل اساتذہ کو توجہ دلائی جائے کہ وہ اپنی کوشش سے کم از کم چند ہی طلباء ایسے تیار کردیں جو ان کے مایۂ ناز ہوں۔ یہ زمانہ سابق کی تعلیم کا ایک مختصر خاکہ ضمنی طور پر ذکر کیا گیا۔ ایسی تعلیم کے ماتحت عموماً اچھے افراد پیدا ہوتے رہے اور جن کی طرف اساتذہ کی زیادہ توجہ رہی یا وہ اپنی محنت یا دماغ سوزی سے علمی ذوق کے مکمل طور پر مالک رہے ایسے لوگوں کو یقیناً آگے جگہ دی جائے گی۔

حضرت استاذ کی اس توجہ کے نتیجہ میں ظاہر ہے کہ مجھے مدرسہ حنفیہ کے جملہ طلباء میں ایک خصوصی امتیاز حاصل تھا۔

ذہن ثاقب اور قوت حافظہ:۔

حافظہ کی قوت اور ذہن کی سلاست روی اور شوق ومحنت کی وجہ سے جملہ طلباء اپنے سے بہتر سمجھتے تھے۔ اس زمانہ میں حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ کتاب میں مضمون دیکھنے یا استاد سے تقریر سننے کے بعد برسوں تک ایسا محفوظ رہتا تھا جیسے ابھی دیکھا یا سنا ہے۔ تین مرتبہ کسی عبارت کو پڑھ لیتے تو وہ یاد ہوجاتی۔

تمام کافیہ ایک دن میں حفظ:۔

چنانچہ ایک مرتبہ یہ خیال ہوا کہ کافیہ کی عبارت زبانی یاد کرلی جائے تو فائدہ مند ہوگا ایک ہی دن میں پوری کتاب یاد کرڈالی۔ سبق میں اساتذہ کتاب سے زائد چیزیں از قبیلِ اعتراض وجواب یا تحقیق مضمون کتاب بیان کیا کرتے تھے وہ ایسا ذہن میں محفوظ رہتا کہ اگر چاہتے تو وہ کتاب کی ایک بہترین شرح لکھ سکتے تھے۔

محدث سورتی کے حضور:۔

علوم نقلیہ وعقلیہ سے فارغ ہونے کے بعد حسب الارشاد حضرت مولانا ہدایت اللہ خان صاحب علیہ الرحمہ پیلی بھیت حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ کی خدمت میں علم حدیث کو حاصل کرنے کیلئے حاضر ہوا۔ حضرت مولانا نے محدث

سورتی کی خدمت میں روانگی کے وقت یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ میں اپنا ایک مخصوص وعزیز طالب علم آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، اس کی تعلیم وغیرہ میں آپ پوری توجہ فرمائیں۔ جب پیلی بھیت پہنچا اور اسباق میں شریک ہوئے تو محدث سورتی میرے ذوق وشوق کو دیکھتے ہوئے زیادہ توجہ فرمانے لگے۔

قیام پیلی بھیت اور مشغلہ درس وتدریس:۔

پیلی بھیت کے زمانہ قیام میں عموماً سارا دن پڑھنے پڑھانے میں اور رات کا اکثر حصہ مطالعہ میں صرف ہوتا تھا، حمد اللہ، میر زاہد اور ملا حسن پڑھنے والے طلباء یہ کتابیں مجھ سے پڑھتے، کیونکہ اب تک جو دور گذرا تھا وہ زیادہ تر علوم عقلیہ ہی کی تحصیل میں گزرا تھا اب جو علم شروع کیا تھا وہ بالکل نیا تھا اور اس علم کی بناء حقانیت اور حقیقت پر ہے اس تعلیم میں زیادہ محنت کرنی پڑی۔ صحاح ستہ، موطا امام محمد علیہ الرحمہ اور کتاب الآثار و کتاب الحج، شرح معانی الآثار اور مسند امام اعظم اور ان کے علاوہ بعض کتابیں حرفاً حرفاً قراءۃً وسماعۃً پڑھیں چودہ مہینہ پیلی بھیت میں اقامت کی مگر شاید ہی کسی روز چھٹی ملی ہو، جمعہ کو بھی اسباق ہوتے تھے۔

استاذ کی ستائش:۔

حضرت مولانا محدث صاحب علیہ الرحمہ بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ مجھ کو ساری عمر میں یہ ایک طالب علم ملا ہے جو محنتی بھی ہے اور سمجھدار بھی اور علم سے شوق ودلچسپی رکھتا ہے۔ اس زمانہ اقامت میں اگر کہیں تشریف لے جاتے تو اپنے ساتھ مجھے بھی لے جاتے اور سفر میں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا۔

والد کی خدمت میں اور انکی خواہش:۔

اس علم شریف سے فراغت کے بعد وطن مراجعت کی، والد ماجد قبلہ نے علم طب کی طرف توجہ دلائی اور یہ فرمایا کہ "میراث پدر خواہی علم پدر آموز" چونکہ یہ فن ہمارے خاندان میں کئی پشت سے چلا آرہا تھا اور خصوصاً والد ماجد کو اس میں زبردست ید طولی حاصل تھا۔

لکھنؤ میں مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی سے علوم وفنون کی تکمیل کے بعد حکیم عبدالعلی جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے مکمل طور پر اس علم کو حاصل کیا اور معالجہ ہی کو اپنا پیشہ اور طریقہ کار بنایا لہذا ائکی بھی خواہش ہوئی۔

آداب فرزندی:۔

آپ نے والد صاحب کی کسی بات کا جواب عمر بھر کبھی نہیں دیا تھا، مگر اس بات کے متعلق یہ کہا کہ اگر مجھ سے علم طب ہی پڑھوانا تھا تو اتنے دنوں تک علوم عقلیہ ونقلیہ میں مشغول رہنے کی کیا ضرورت تھی؟ چند فلسفہ کی کتابیں بطور مقدمہ علم طب کیلئے کافی تھیں اور طب میں مشغول ہونے کے بعد یہ امید نہیں کہ اپنے مقاصد میں یعنی علوم نقلیہ وعقلیہ میں کامیابی حاصل کرسکوں لہذا میں اجازت چاہتا ہوں کہ انہیں علوم میں مجھے مشغول رہنے دیا جائے۔والد صاحب نے فرمایا میں نے تمہارے لئے ہی کہا تھا اگر تم نہیں چاہتے ہو تو میری طرف سے اجازت ہے، میں تم کو مجبور نہیں کرتا۔

پٹنہ میں ورود اور منصب تدریس:۔

یہاں تک طالب علمی کا دور تھا جو ختم ہوا۔اس کے بعد دو تین ماہ مکان پر قیام رہا اور اسی درمیان میں جناب قاضی عبدالوحید صاحب رئیس پٹنہ نے حضرت مولانا محدث سورتی کی خدمت میں یہ خط بھیجا کہ مدرسہ اہل سنت کیلئے مدرس اول کی ضرورت ہے اگر کوئی شخص آپ کے علم میں ہو تو ان کو مقرر فرمادیجئے۔واضح ہو کہ یہ وہی جگہ تھی کہ پہلے جناب مولانا عبدالعزیز صاحب انبیٹھوی جو حضرت مولانا خیرآبادی علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید تھے اور منطق مشہور تھے اس جگہ پر فائز تھے اور مدرس اول کا کام انجام دے رہے تھے۔اس کے بعد حضرت مولانا وصی احمد صاحب سورتی مدرس اول رہے اور کار تدریس انجام دیتے رہے جس جگہ ایسی مقتدر ہستیاں جو اپنے علم وفضل کے اعتبار سے نامی وگرامی اور اپنی عمر کے لحاظ سے تجربہ کار تھیں۔ان کی جگہ پر ایک نئے شخص کا تقرر کتنا اہم کام ہے؟ مگر حضرت محدث صاحب سورتی کا حکم تھا جس کی تعمیل لازمی تھی، ناچار اس عہدہ کو قبول کرنا ہی پڑا۔مکان سے

جونپور بغرض تحصیل اجازت حضرت مولانا ہدایت اللہ خان صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے اجازت عطا فرمائی اور اپنی دعائیں شامل حال کیں پٹنہ پہنچا دو روز تک جناب قاضی صاحب رئیس پٹنہ کے مہمان رہا پھر مدرسہ کا کام سپرد کیا گیا۔پہلے دن جب مدرسہ میں جانا ہوا تو یہ بھی نہ معلوم تھا کہ کون سی کتابیں پڑھانی ہیں اور کس جگہ سے پڑھانا ہے؟۔

امتحان گاہ:۔

دفعۃً سامنے ہدایہ جلد ثالث پڑھانے کیلئے پیش کی گئی، یہ نہیں کہ صرف پڑھنے والے طلباء کے سامنے پڑھانا تھا، بلکہ خود قاضی عبدالوحید صاحب جو ایک اچھے عالم تھے اور بعض دیگر علماء تعلیم دیکھنے کی خاطر بیٹھے تھے۔نئی جگہ نئی کتاب جس کی پیشتر سے خبر نہیں اور علماء کا بقصد امتحان وہاں موجود ہونا اس قدر پریشان کن اور دہشتناک منظر اس شخص کیلئے ہوگا جو پہلے دن ذمہ دارانہ حیثیت سے مسند تدریس پر بیٹھا ہوگا۔لیکن اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کا فضل وکرم اور اساتذہ کی دعاؤں کی برکت کہ سبق پڑھایا اور ایسا پڑھایا کہ سامعین دنگ رہ گئے۔بہر حال وہاں کے تمام لوگوں کو تعلیم کافی پسند آئی اور مدرسہ کے فرائض انجام دیتے رہے۔

قاضی عبدالوحید صاحب:۔

کچھ زمانہ کے بعد قاضی عبدالوحید صاحب علیل ہوئے اور انتقال کر گئے۔قاضی عبدالوحید صاحب ایک دیندار رئیس تھے، بڑی خوبیوں کے جامع تھے حافظ قرآن اور نہایت زود خوان اور درسی کتابوں کے عالم مولانا عبدالعزیز صاحب کے شاگرد رشید، انگریزی بھی اچھی جانتے تھے اور اس کی بھی ڈگری حاصل کی تھی۔ان کے والد نے چاہا تھا کہ بیرسٹری وغیرہ کے امتحانات کیلئے لندن جائیں۔جس کا انہوں نے سب کچھ سامان بھی کر دیا تھا مگر قاضی صاحب نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ یورپ جائیں اس لئے انکار کر دیا۔

ندوہ کی ملمع کاری:-

ندوہ کی گمراہی نے جس زمانہ میں ہندوستان کے اندر وسعت پائی اور مذہبی امتیازات کو اٹھانے کیلئے علماء کی ایک بھاری جماعت ساتھ ہوئی-ان کا مقصد ہی یہی تھا کہ سُنّی،شیعہ،وہابی اور غیر مقلد یہ سب امتیازات بیکار ہیں-چنانچہ اس رویہ نے نہایت زوروں کے ساتھ ہندوستان میں ترقی پکڑی-اس سلسلہ میں ندوۃ العلماء کا ایک عظیم الشان تاریخی اجتماع پٹنہ میں ہوا کہ ایسا اجلاس آج تک کبھی بھی نہیں ہوا-

پٹنہ میں آفتاب حق کی ضیا باریاں:-

اس موقع پر حق کی حمایت کیلئے پٹنہ میں قاضی عبدالوحید صاحب کی ہی ایک شخصیت تھی جنہوں نے اپنا مال تنہا خرچ کیا،بڑے علماء جو ندوے کی باطل پرستی اور گمراہی سے واقف تھے ان کو دعوت دی جس میں اعلیٰ حضرت مجدد ملت امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی،تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی،حضرت محدث سورتی،حضرت مولانا سید شاہ عبدالصمد سہسوانی اور حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب رام پوری ثم جونپوری اور بہت سے گرامی قدر علماء مدعو تھے اور تشریف لائے تھے-ان علماء کی تقریروں سے ندوہ کی گمراہی آشکارا ہوئی اور اس کا سارا پول کھل گیا،اسی وقت سے جناب قاضی عبدالوحید صاحب نے یہ مدرسہ اہل سنت قائم کیا تھا اور اپنا ایک بڑا سا مکان اس کے لئے وقف کر دیا تھا اور اپنی آمدنی کا بڑا حصہ تحفۂ حنفیہ کی اشاعت میں (جو ماہنامہ مجلّہ تھا) صرف کرتے-قاضی صاحب کی یہ دینداری اہل حق کے نزدیک کچھ اتنی مقبول تھی کہ ان کی عیادت کیلئے حضرت محدث سورتی اور اعلیٰ حضرت بریلوی باوجود کثرت مشاغل کے تشریف لائے تھے اور انہیں حضرات کی موجودگی میں قاضی صاحب نے وفات پائی -اعلیٰ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور محدث صاحب نے قبر میں اتارا-ایک بزرگ کے آستانہ کے قریب مدفن کیلئے جگہ پائی-

فاضل بریلوی سے شرف نیاز:-

اسی زمانہ میں اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ) پٹنہ تشریف لائے تھے،ان کے حالات کے مطالعہ کرنے کا موقع ملا-چنانچہ ان کی جانب عقیدت پیدا ہوئی،دل بے اختیار ادھر مائل ہوا-حضرت محدث صاحب کی رائے اور مشورہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں ان کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہوا-

پٹنہ سے علیحدگی:-

قاضی صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد مدرسہ ایسے ہاتھوں میں پہنچا جن کو علم اور اہل علم سے بالکل تعلق نہ تھا اور قرینہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ مدرسہ اب چل نہ سکے گا بمشکل تمام تعطیل کلاں تک کا وقت گزارا-اس کے بعد مکان پر واپس آ کر استعفاء بھیج دیا-

والد کا ارشاد:-

سوچنے اور غور کرنے کے بعد دل میں خیال پیدا ہوا کہ نوکری بڑے احتیاج کی چیز ہے،اگر چھوٹ گئی تو کس سے کہتے پھریں گے؟ کوئی ایسی چیز حاصل کر لینی چاہئے کہ دوسروں کی احتیاج باقی نہ رہے-یہ خیال کر کے والد صاحب کی نصیحت یاد آئی اور طب پڑھنے کی طرف طبیعت کا میلان دیکھا-

پیشہ آبائی:-

رمضان کے بعد لکھنؤ پہنچے وہاں دو برس سے زیادہ تک طب پڑھنے اور مطب کرنے میں مشغول رہے-اس سے فراغت کرنے کے بعد مکان واپس آئے اور مستقل طور پر مطب کرنا شروع کیا،چونکہ معالجہ خاندانی پیشہ تھا،مریض بکثرت آنے لگے اور اللہ کے فضل وکرم سے شفا پانے لگے-پانچ چھ مہینہ مطب کرنے کے بعد کافی شہرت ہو گئی،مگر بچپن سے شہروں میں رہنے کی عادت،اہل علم اور اچھے لوگوں کی صحبت رہی تھی مکان پر دل نہ لگا-

منزل نے پھر آواز دی:-

بغرض سیر وتفریح لکھنؤ گئے،وہاں سے پیلی بھیت پھر بریلی گئے-پیلی بھیت سے

بریلی جاتے وقت حضرت محدث صاحب نے ایک خط اعلیٰ حضرت کی خدمت میں تحریر فرما کر دے دیا تھا۔ اس میں محدث صاحب نے کچھ ایسی باتیں لکھی تھیں جن کا مقصد یہ تھا کہ مجھے خدمت علم و دین کی طرف متوجہ کیا جائے۔ جب آستانہ اعلیٰ حضرت پر پہنچے اور اپنے آنے کی اطلاع بھیجی۔ اعلیٰ حضرت فوراً باہر تشریف لائے۔ دریافت کیا کہ کہاں تعلیم حاصل کی اور کیا کیا پڑھا ہے؟ مختصر لفظوں میں آپ نے اپنا علمی معیار پیش کر دیا۔ ارشاد فرمایا کہ یہاں قیام کیجئے اور جب تک میں نہ کہوں واپس نہ جایئے اور دلبستگی کیلئے کچھ معمولی سا کام ترجے وغیرہ کا سپرد کر دیا تقریباً دو ماہ قیام رہا اور اعلیٰ حضرت سے مستفیض ہوتا رہا۔ علمی و دینی تذکرے و مذاکرے ہوتے رہے یہاں تک کہ رمضان قریب آ گیا تو اپنے وطن آنے کی اجازت مانگی، فرمایا جایئے مگر جب میں بلاؤں تو فوراً چلے آیئے گا۔ مکان آنیکے بعد پھر وہی مطب اور معالجہ کا سلسلہ جاری رہا۔ مطب میں اگرچہ مریضوں کی کثرت ہوتی اور لوگوں کا فائدہ بھی ہوتا تھا مگر اس میں جی نہ لگا۔

تبدیل آب وہوایا تبدیل مشغلہ:۔

پانچ چھ مہینے کے بعد پھر بغرض تفریح لکھنؤ گیا اور وہاں سے بریلی وغیرہ بھی خطوط بھیج دیے بریلی سے یہ خط آیا کہ فوراً یہاں آ جایئے۔ اس مرتبہ مدرسہ کا کچھ تعلیمی کام سپرد کیا گیا، گویا آپ کو وہاں رہنے کی پابندی ہو گئی۔ کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ وہاں ایک انجمن کی بنیاد ڈالی گئی جس کا نام "انجمن اہل سنت" رکھا اور اس کے جملہ امور میرے سپرد کیئے گئے۔

اہتمام انجمن اہلسنت وانتظام مطبع:۔

پھر اسی انجمن کے ماتحت ایک پریس کا اجرا کیا گیا۔ پریس کی مشین اور ضروری سامان وہاں موجود تھا۔ ندوہ کی تحریک کے خلاف کتابیں چھاپنے کیلئے پہلے سے مطبع اہل سنت قائم تھا مگر وہ بند ہو چکا تھا۔ کل ضروری سامان باقی رہ گئے انہیں سے کام کرنا شروع کیا گیا۔ انجمن تو مسلمانوں کی بے توجہی سے تھوڑے دنوں کے بعد ختم ہو گئی، نہ اس میں کوئی

چندہ دینے والا رہا اور نہ کام کرنے والا، مگر پریس جو انجمن کی ماتحتی میں قائم کیا گیا تھا وہ قائم رہا اور اس میں طباعت کا سلسلہ جب تک بریلی میں قیام تھا جاری رہا۔ اعلیٰ حضرت کی تصانیف وقتی اشتہارات وغیرہ اس پریس سے برابر شائع ہوتے رہے۔

تنخواہ بھی پریس پر صرف کر دی:۔

بہت زمانہ سے مطبع کی آمدنی بہت قلیل تھی اور اخراجات آمدنی کے لحاظ سے بہت زائد، چونکہ میں اس کام کو اپنے ذمہ لے چکا تھا کہ جس طرح سے ہو سکے گا کام جاری رکھوں گا۔ لہذا اپنی تنخواہ کا ایک جز اس پریس کو ہمیشہ ہی نذر کرنا پڑا۔ ہوتے ہوتے پریس کی حالت بہت سنبھل گئی اور اس کے پاس کتابوں کا بہت کافی ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ فروخت کتب ہر ماہ میں اتنی ہو جاتی تھی کہ پریس کے جملہ مصارف میں کچھ ہی کمی پڑتی اور کتابوں کا سرمایہ اتنا کافی ہو چکا تھا کہ اجمیر شریف جاتے وقت دس ہزار سے کم تعداد نہ تھی۔ مگر اجمیر جانے کے بعد رفتہ رفتہ یہ سارا ذخیرہ اور سامان بھی برباد ہو گیا اور کچھ لوگوں نے خرد برد کر ڈالا۔ جس کوشش و جانفشانی اور اپنی گاڑھی کمائی کا پیسہ لگا کر یہ دینی کام اس انداز پر میں نے پہنچا دیا تھا کہ تھوڑی کوشش کے بعد اس سے بہت کچھ دینی خدمات انجام دی جا سکتی تھیں، اس کا برباد ہونا جتنا میرے لئے باعث قلق ہوا دوسروں کیلئے کاش اس کا بیسواں حصہ بھی ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔

قیام بریلی کی ذمہ داریاں:۔

پریس کا انتظام اور مدرسہ کی تعلیم، بریلی میں یہ دو مستقل کام مجھ سے متعلق تھے۔ مدرسہ کی تعلیم یہ خود ایک پورا کام ہے۔ پریس کی جملہ کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح، کتابوں کی روانگی، خطوط کے جواب آمد و خرچ کا حساب یہ سارے کام تنہا انجام دیا کرتا۔ ان کاموں کے علاوہ کبھی کبھی شہر و بیرون شہر میں تقریریں کرنا بھی پڑتا تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے بعض مسودات کا مبیضہ کرنا، فتووں کو نقل کرنا ان کی خدمت میں فتووں کا لکھنا یہ کام مستقل طور پر انجام دیتا۔

تقسیم کار یا کام کی مشین:-

کاموں کی تقسیم اوقات پر تھی- بعد نماز فجر ضروری وظائف و تلاوت قرآن پاک کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ یا کچھ کم وبیش پریس کا کام انجام دیتا، پھر فوراً مدرسہ جا کر اخیر وقت مدرسہ تک تعلیم دیتا، وہاں سے واپس ہو کر کھانا کھاتا- کھانے کے بعد مستقلاً دو یا تین بجے یعنی وقت نماز ظہر پھر پریس کا کام انجام دیتا، ظہر کے بعد مدرسہ جاتا اور دو گھنٹہ مکمل یعنی وقت عصر تک تعلیم دیتا- بعد نماز عصر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں مغرب تک بیٹھتا- بعد مغرب عشاء تک اور عشاء کے بعد بارہ ایک بجے شب تک اعلیٰ حضرت کی خدمت میں فتوٰی وغیرہ جو کوئی کام ہوتا انجام دیتا- اس کے بعد مکان واپس آتا کھانا کھانے کے بعد کچھ ضروری کام تحریر کا کرنے کے بعد تقریباً دو بجے شب میں سوتا، اعلیٰ حضرت کے اخیر زمانہ حیات تک تقریباً یہی روزمرہ کا معمول رہا-

والد کا سانحہ ارتحال:-

بریلی کے ابتدائی قیام میں والد صاحب قبلہ کا سایہ سر پر تھا، ان کے وجود کی برکت سے آپ کو بہت کچھ اطمینان تھا- بریلی کے قیام کو ایک سال سے کچھ ہی زیادہ گزرا تھا یعنی صفر ۱۳۳۰ھ میں مکان سے تار آیا کہ والد ماجد کو طاعون ہو گیا ہے، حالت بہت نازک ہے فوراً آؤ- والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے ابتدائے تعلیم ہی میں اٹھ چکا تھا- والد صاحب کے اس مہلک مرض میں گرفتار ہونے کے باعث بہت زیادہ اضطراب ہوا- پہلی ٹرین سے مکان پہنچا-

یہ مرض والد ماجد کو اعظم گڑھ میں ہوا، وہاں سے پالکی پر سوار ہو کر مکان تشریف لائے- جب میں گھر پہنچا تو والد کو نہایت شدید بخار، جیسا کہ طاعون میں عموماً ہوتا ہے اور ران میں بہت بڑی گلٹی موجود تھی- انہوں نے اپنا علاج خود ہی تجویز فرمایا کہ گلٹی چیری جاوے چونکہ وہ بالکل خام تھی اور کچی گلٹی کا چیرنا دشوار کام تھا-

والد کی قوت برداشت:

انہوں نے ایک جراح کو بلا کر اس کام پر آمادہ کیا اور کچھ قوی لوگوں کو منتخب کیا کہ آپریشن کے وقت اگر میرے ہاتھ پاؤں میں جنبش ہو تو وہ پکڑ لیں تاکہ آپریشن صحیح طور پر کیا جا سکے اور کچھ ایسی دوائیں بھی تیار کر رکھی تھیں کہ آپریشن سے اگر مجھے غشی طاری ہو جائے تو یہ دوائیں مجھے استعمال کرائی جائیں- آپریشن ہوا اور ان کی ہمت و جرأت کا کیا کہنا کہ جراح کے سامنے انہوں نے اپنا پاؤں بڑھا دیا- لوگوں سے کہا کہ پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے- آپریشن ہوا اور بہت بڑی گلٹی جو پتھر کی طرح سخت تھی نکال کر پھینک دی اور انہوں نے اپنے ہاتھ پاؤں کو جنبش بھی نہ دی-

اخیر وقت قابل رشک دماغی حالت:

عموماً جس طرح لوگوں کو سرسام ہو جاتا ہے انہیں بھی ہوا دماغی حالت اچھی نہ رہی مگر بعد میں یہ سرسامی کیفیت دور ہو گئی حواس بالکل درست ہو گئے- تمام صاحبزادوں کو بلا کر انہیں کچھ نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں بلکہ ایک وصیت نامہ بھی لکھوایا- مغرب کے بعد یہ سب باتیں ہوئیں تمام لوگ موجود تھے- بڑے بھائی مولانا محمد صدیق بھی تھے، خود اپنی نبض دیکھنے کے بعد مولوی محمد صدیق صاحب سے فرمایا صدیق دیکھو میرے داہنے ہاتھ کی نبض کمزور ہو گئی ہے، انہوں نے دیکھ کر کہا ہاں! پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا اب بائیں ہاتھ کی نبض بھی کمزور ہو گئی، انہوں نے کہا ہاں! پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا اب داہنے ہاتھ کی نبض ساقط ہو گئی، دیکھا تو ساقط ہو چکی تھی پھر فرمایا اب بائیں ہاتھ کی ساقط ہو چکی اچھا اب مجھے لٹا دو- لٹا دیا گیا کلمہ زبان سے نکلا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی- اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ - والد ماجد کا انتقال پر ملال گھر کے سب ہی افراد کیلئے کتنا تکلیف دہ ہو گا ظاہر ہے- اتحاد و اتفاق اور مکان کی جو کچھ شیرازہ بندی تھی ان سب باتوں میں فرق پیدا ہو گیا-

دنیاداری کا بار گراں:-

اب خود میری زندگی کا بھی نیا دور شروع ہوتا ہے، اہل و عیال کا بار بھی سر پر آپڑا-

والد ماجد کی تاریخ وفات ۱۰ رصفر المظفر ۱۳۳۰ھ ہے۔

کفل الفقیہ الفاھم اور الدولۃ المکیۃ کے تراجم :-

کفل الفقیہ الفاھم جو اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا بریلوی) کی نوٹ سے متعلق معرکۃ الآراء کتاب ہے اور مکہ معظمہ کے اکابر علماء کے سوال کے جواب میں زمانۂ قیام مکہ مکرمہ میں تصنیف فرمائی تھی۔ اس کا ترجمہ اعلیٰ حضرت کے املا کرنے پر لکھا گیا اور دوسری کتاب جو مکہ معظمہ میں تصنیف فرمائی تھی جس کا نام الدولۃ المکیۃ جو مسئلہ علم غیب سے متعلق بے نظیر کتاب ہے اس کا ترجمہ بھی اعلیٰ حضرت کے املا پر لکھا گیا۔ کفل الفقیہ کا ترجمہ بھی عربی کتاب کے ساتھ مطبع اہل سنت میں طبع کر دیا تھا، بلکہ اس کے ساتھ ایک اور رسالہ بھی تھا جس میں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کے شبہات کا جواب اور ان کی تحریر کا کافی رد بھی ہے۔ الدولۃ المکیۃ کا ترجمہ چھپنے نہیں پایا، وہ اعلیٰ حضرت ہی کے کتب خانہ میں تھا مگر اب سنا جاتا ہے کہ تلف ہو گیا۔

کچھ الدولۃ المکیۃ کے متعلق :-

الدولۃ المکیۃ بڑی ضخیم کتاب ہے اور اس پر اعلیٰ حضرت کے حواشی قدیمہ و جدیدہ بھی ہیں۔ ان حواشی کی وجہ سے اس کی ضخامت بہت زیادہ ہو گئی تھی اس کو چھپوانا شروع کیا تھا چند اوراق اصل کتاب کے چھپے اس کے بعد جو حواشی کا سلسلہ شروع ہوا تو غالباً دو سو آٹھ صفحے تک چھپے اور بعض وجوہ سے اعلیٰ حضرت کے زمانہ میں ہی اس کی طبع کا سلسلہ منقطع ہو گیا، پھر اس کو نہ کسی صاحب نے جاری کیا نہ اس کی تکمیل فرمائی۔ اس کتاب کی تصنیف بھی عجیب و غریب عنوان سے ہوئی، جب مکہ معظمہ حاضر ہوئے اس سال مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی بھی خاص یہ مقصد لے کر مکہ معظمہ گئے کہ اعلیٰ حضرت کے خلاف ان کی مکہ معظمہ موجودگی میں ایک فتویٰ حاصل کیا جائے بلکہ اس امر کی کوشش کی جائے کہ کچھ نہ کچھ ان کو وہاں سزا ہو جائے۔ لہٰذا مولوی خلیل احمد صاحب نے علم غیب کے متعلق چند سوالات مرتب

کیے اور علماء اہل سنت پر ان سوالات میں افتراء کیا کہ علم خدا اور رسول کو یہ لوگ مساوی بتاتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ انہوں نے یہ کوشش کی کہ کسی طرح ان کے کفر کے متعلق فتویٰ حاصل کیا جائے۔ شریف مکہ کے پاس سوالات پیش کیے گئے اور یہ ظاہر کیا کہ جن لوگوں کا یہ مذہب ہے ان کے ایک بڑے زبردست عالم موجود ہیں، اس سے مقصد یہ تھا کہ معاذ اللہ وہ اعلیٰ حضرت کو ایذا پہنچانا چاہتا تھا۔ شریف صاحب نے وہ سوالات مولانا شیخ صالح کمال صاحب مفتیٔ حنفیہ کو دئے کہ آپ ان کے شرعی جوابات تحریر کریں اور اس کے قائل کے متعلق شریعت کے جو احکام ہیں وہ لکھیں۔ یہ سب کارروائیاں وہابیوں نے اندرونی طور پر کی تھیں جس کی یہاں کسی کو خبر نہ تھی مگر اللہ تعالیٰ کو حق کا غالب کرنا مقصود تھا۔

مفتیٔ حنفیہ سے اعلیٰ حضرت کی ملاقات :-

واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت مولانا شیخ صالح کمال صاحب حرم شریف میں کتب بینی کیلئے تشریف لے گئے اور اسی وقت اعلیٰ حضرت بھی اسی مقصد سے جاتے ہیں دونوں حضرات کتب بینی میں مشغول ہیں۔ دونوں میں کبھی ملاقات نہ تعارف نہ کوئی بات چیت اتفاقاً اعلیٰ حضرت کی نظر پڑی۔ حضرت صالح کمال جو کتاب دیکھ رہے ہیں اس کا ورق نہ اڑنے کی خاطر دوات رکھدی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے کتاب پر دوات رکھی دیکھ کر دوات کو اٹھا کر نیچے رکھ دیا اور کتب بینی میں مشغول ہو گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد نظر پڑی تو دوات کتاب پر رکھی ہوئی دیکھی پھر کتاب سے دوات کو ہٹا دیا۔ مولانا شیخ صالح کمال صاحب نے جب دوسری مرتبہ یہ معاملہ دیکھا تو ناگواری ظاہر فرمائی۔ اور اعلیٰ حضرت پر معترض ہوئے کہ ایسا کیوں کیا؟ ارشاد فرمایا کہ کتاب پر دوات یا کسی چیز کو رکھنا جائز نہیں۔ فرمایا کہ یہ کس نے کہا کہ جائز نہیں اور کہاں؟ جب اعلیٰ حضرت نے کتاب کا حوالہ دیا اور انہیں جو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا معلوم ہوا۔ اس سے ان کو مسرت ہوئی پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں کے رہنے والے ہیں؟ اپنا نام اور پتہ وغیرہ بتایا اور باہم علمی گفتگو بھی ہوئی جس سے مولانا صالح کمال صاحب نے اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی کا کچھ اندازہ کیا۔

اس وقت مولانا صالح کمال صاحب نے فرمایا کہ آپ کے اور آپ کی جماعت کے متعلق ہمارے پاس کچھ سوالات آئے ہیں، جس میں اس قسم کی باتیں مذکور ہیں۔لہذا میں یہ چاہتا ہوں کہ قبل اس کے کہ میں خود اس کا کوئی جواب تحریر کروں آپ سے استفسار کر کے جواب چاہتا ہوں اور یہ بھی فرمایا اگر آپ سے ملاقات نہ ہوتی تو آپ کے خلاف اس کے جوابات تحریر کر کے شریف مکہ کی خدمت میں پیش کر دیتا، جس کا نتیجہ آپ کے حق میں بہت برا ہوتا۔ اعلیٰ حضرت کے سامنے وہ سوالات پیش کیے گئے، قلم اور دوات اٹھایا اور چاہا کہ فوراً جواب تحریر کریں، مولانا صالح کمال صاحب نے فرمایا کہ اتنی جلدی جواب لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ اس کو قیام گاہ پر لے جائیں اور اطمینان کے ساتھ جواب تحریر کریں۔ چنانچہ وہاں سے واپس آنے کے بعد اس کتاب الدولۃ المکیۃ کی تصنیف شروع ہوئی۔

باوجود بخار اور علالت طبع کے چند گھنٹہ میں یہ کتاب لکھی گئی۔ دیکھنے والا تعجب کرتا ہے اتنی جلد اس کتاب کی تصنیف کیونکر ہو سکی؟ اگر کوئی بہت تیز نویس اس کو نقل کرنا چاہے تو جتنی دیر میں تصنیف ہوئی ہے کم از کم چوگنا یا پانچ گنا وقت اس کی نقل میں صرف ہوگا۔ مولانا حامد رضا خاں صاحب نے اس کتاب کی تبییض فرمائی جب مبیضہ ہو چکا تو مولانا صالح کمال صاحب کی خدمت میں پیش کیا وہ اتنی بڑی کتاب اتنے کم وقت میں تصنیف اور تبییض کی ہوئی دیکھ کر سخت متعجب اور حیران ہوئے۔ پھر اس کتاب کو شریف مکہ کی خدمت میں لے گئے شریف مکہ صاحب نے باحتیاط اپنے صندوقچہ میں بند کیا اور عمائد علماء کو بلا کر کئی روز تک شب میں وہ کتاب پڑھی جاتی اور سب لوگ بغور سنتے۔

اللہ تعالیٰ دیتا ہے وہابی منع کرتے ہیں:

جب وہ موقع آیا کہ وسعت علم نبی کریم ﷺ پر نصوص قرآنیہ، احادیث، اقوال ائمہ واولیاء پیش کیے گئے ہیں اس کو سنا تو خود شریف مکہ کو وجد آگیا اور شدت ذوق میں فرمایا "اَللّٰهُ يُعْطِىْ وَهٰؤُلَاءِ يَمْنَعُوْنَ" اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو اتنا وسیع علم عطا فرماتا ہے اور یہ وہابیہ اس کو منع کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ یہ کتاب الدولۃ المکیۃ ایسی مقبول اور پسندیدہ ہوئی

کہ تمام اکابر علماء نے اس پر تقریظیں اور تصدیقیں فرمائیں، اس کتاب کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی کا اعتراف کیا۔

مجدد دین وملت:۔

یہاں تک کہ جملہ علماء حرمین شریفین نے آپ کو مجدد دین وملت تسلیم کیا۔ یہ مجدد کا خطاب وہیں سے حاصل ہوا۔ چنانچہ علماء کی تقریظوں کی عبارتوں سے یہ امر ظاہر ہے۔ بکثرت علماء حرمین طیبین نے اعلیٰ حضرت سے سندیں حاصل کیں اور آپ کے تلامذہ میں داخل ہوئے۔، بلکہ آپ کے مرید ہوئے اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کی۔ ان علماء کو قلم برداشتہ جو سندیں تحریر فرمادی ہیں وہ بھی ایک کتاب کی شکل میں شائع ہوئی تھیں۔

اعلیٰ حضرت کا زورِ تحریر:۔

کتاب کا نام "الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ" ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قدرت نے اعلیٰ حضرت کو کس قدر وسعت علم اور کلام پر قدرت عطا فرمائی تھی۔۔ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کے دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بلا تکلف آپ کتنی فصیح و بلیغ عربی تحریر فرمانے کا ملکہ رکھتے تھے۔ دیکھنے والے اور جاننے والے جانتے ہیں اور ابھی وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کو عربی تحریر فرمانے میں یا عربی گفتگو کرنے میں کسی قسم کا کوئی تکلف نہیں ہوتا تھا۔۔ جس طرح اردو میں لکھتے یا کلام کرتے، اسی طرح عربی میں گفتگو یا عربی تحریر تھی بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ عربی لکھنا یا بولنا بہ نسبت اردو کے زیادہ سہل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ علمی زبان ہے اور علم کے ادا کرنے کیلئے اس میں زیادہ الفاظ ملتے ہیں۔

عربی زبان پر اعلیٰ حضرت کی قدرت:۔

زمانۂ قیام مکہ معظمہ میں وہاں کے علماء کو اعتراف کرنا پڑا تھا کہ آپ عربی اس انداز سے اور اس لب ولہجہ سے بلا تکلف ادا فرماتے ہیں کہ اگر پردہ ڈالا جائے تو کوئی سننے والا یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ یہ متکلم ہندی ہے یا عرب کا رہنے والا نہیں ہے۔ عربی میں آپ کی گفتگو

کئی قسم کی تھی شہری عربی جو آج کل مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں رائج ہے۔ دوسری بدوی عربی کہ اسی لب ولہجہ میں الفاظ کو ادا کیا کرتے تھے۔ شام اور مصر کے لوگ جس قسم کی عربی بولتے ہیں اس کو بھی بلا تکلف اسی انداز سے بولتے تھے۔ اور ایک یہ فصیح کتابی عربی جو زمانہ رسالت اور اس کے کچھ بعد تک جاری تھی۔

اعلیٰ حضرت کا فارسی زبان پر عبور:۔

اسی طرح اعلیٰ حضرت قبلہ فارسی کی مختلف زبانوں پر قدرت رکھتے تھے۔ آپکی یہ عادت تھی کہ جس زبان میں سوالات بھیجے جاتے تھے اسی زبان میں جواب تحریر فرماتے۔ مگر وہ زبانیں جن کو آپ نہ جانتے تھے مثلاً انگریزی تو دوسرے سے جوابات کا اس زبان میں ترجمہ کرا کے سائل کے پاس بھیجا کرتے تھے۔

عربی اور فارسی پر آپ کی دستگاہ تامہ ان قصائد سے ظاہر ہوتی ہے جو وقتاً فوقتاً آپ نے تحریر فرمائے ہیں بہت سے وہ قصائد جو اپنے احباب واصحاب کے نام سے کبھی تحریر فرمائے ہیں مثلاً آمال ابرار، صمصام حسن وغیرھا ان کے دیکھنے سے اعلیٰ حضرت کی ادبیت اور فصاحت وبلاغت کا قدرے علم ہو سکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے سفر حج کے واقعات اور اس سلسلہ میں آپ کے خوارق وعادات اور دیگر باتوں کا تذکرہ غالباً وہ حضرت فرمائیں گے، جو سوانح اعلیٰ حضرت کے نام سے کتاب لکھ رہے ہیں وہ حالات نہایت عجیب وغریب اور دلچسپ ہیں جن سے اعلیٰ حضرت کی ظاہری وباطنی دونوں قسم کی حالتوں کا اچھی طرح انکشاف ہوتا ہے۔

واقعہ مناظرۂ اعلیٰ حضرت:۔

صفر ۱۳۲۹ھ۔ ابھی بریلی آئے ہوئے کچھ ہی زمانہ ہوا تھا کہ مراد آباد سے ایک مناظرے کے سلسلہ میں مولوی ظفر الدین صاحب بلائے گئے اور وہاں باہم یہ طے پایا کہ ہمارے آپکے مناظرے سے کیا فائدہ؟ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب قبلہ جو جماعت اہل سنت کے سردار ہیں اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی جو جماعت وہابیہ کے

سرغنہ ہیں۔ ان دونوں میں اگر باہم مناظرہ ہو جائے تو مفید اور کار آمد ہوگا۔ مولوی ظفر الدین صاحب نے اس کو قبول کر لیا۔ طرفین سے تحریریں ہو گئیں اور یہ بھی کہ اعلیٰ حضرت کے آمادگی مناظرہ کی ایک تحریر مولوی اشرف علی صاحب کے پاس جس میں ان کے دستخط اور مہر ہوں جائے، اسی طرح مولوی تھانوی صاحب اپنی دستخطی اور مہری تحریر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں روانہ کر دیں۔

چنانچہ ۲۹ رصفر کی تاریخ مناظرہ کیلئے مقرر ہوئی جو حضرت شاہ بلاقی علیہ الرحمہ کے عرس کا دن تھا۔ طے یہ ہوا کہ اسی صفر اور اسی مقام پر یہ مناظرہ ہو۔ جب مولوی ظفر الدین صاحب اس معاملہ کو طے کر کے بریلی آئے تو اعلیٰ حضرت قبلہ نے حسب الشرط اپنی مہری دستخطی تحریر تھانوی صاحب کے نام بذریعہ رجسٹری روانہ کی اور غالباً تھانوی صاحب کے وہاں سے بھی ایک تحریر آئی مگر اس میں مہر نہ تھی اور دستخط معلوم نہیں انہیں کے تھے یا دوسرے کے۔

اب یہاں مناظرے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اکابر علماء اور مشائخ کو خطوط وتار روانہ کئے گئے کہ آپ حضرات بھی اس مناظرے میں شرکت فرمائیں۔ چونکہ معاملہ بہت اہم تھا حق وباطل کا بڑا زبردست مقابلہ تھا بکثرت علماء کرام بریلی تشریف لائے اور اعلیٰ حضرت کے ساتھ مراد آباد گئے۔ اعلیٰ حضرت کا آمادگی مناظرہ ظاہر کرنا اور اس کے لئے پھر بنفس نفیس روانہ ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ وہابیوں میں اسکی ہلچل مچ گئی اور قصر وہابیہ میں زلزلہ آ گیا۔

وہابیہ کا وظیفہ پولیس المدد:۔

مراد آباد کے اخبار وہابیہ نظام الملک نے اس کی پیش بندی شروع کی کہ کسی طرح جانِ وہابیت بچ جائے اور یہ حرکت مذبوحی دکھائی کہ پہلے اخبار میں لکھا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب مع علماء ایک کافی تعداد کے بغرض مناظرہ مراد آباد آ رہے ہیں، ان کے آنے سے بلوے اور فساد کا قوی احتمال ہے۔ گورنمنٹ کو اس کی طرف خصوصیت سے توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور پولیس کو فساد روکنے کی حاجت ہے۔

جب یہ گاڑی مراد آباد پہنچی تو کئی ہزار کے مجمع نے اعلیٰ حضرت اور علمائے کرام کا

استقبال کیا اور بڑی شان وشوکت کے ساتھ قیام گاہ پر لے گئے وہابیہ نے حسب عادت مناظرہ بند کرنے کی کوشش کی۔ کوتوال وغیرہ کو بلایا۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ مناظرہ کیلئے تشریف لائے ہیں اس سے فساد ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا اگر آپ کو مجمع عام میں مناظرے سے اندیشہ ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مکان میں میں اور وہ اور میری طرف سے اور ان کی طرف سے دو دو آدمی جمع ہوں اور مکان کا دروازہ بند کر دیا جائے کہ کوئی اور نہ آسکے آپ بھی وہاں نگرانی کیلئے موجود ہیں۔ اس طرح طرفین میں مناظرہ ہو جائے، اس میں فساد کا کیا اندیشہ؟ مگر وہاں تو یہ طے تھا کہ کسی طرح سے جان بچ جائے۔ اور مناظرہ کی آفت سر سے ٹلے۔ کوتوال وغیرہ نے یہ بھی کہا کہ ابھی تک وہ آئے ہی نہیں ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا اگر وہ نہیں آتے ہیں تو یہ ان کا فرار ہے کہ تاریخ ہی آج کی مقرر تھی مناظرہ انہیں سے ہونا تھا۔

تھانوی صاحب مناظرہ کیلئے نہ آسکے:۔

غرض یہ کہ تھانوی صاحب تھان نہ چھوڑ سکے نہ آنا تھا نہ آئے۔ شاہ بلاقی صاحب کے عرس کے موقع پر تمام علماء کرام نے مجمع میں جہاں معلوم نہیں کتنے ہزار عوام کا اجتماع تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے نہایت موثر پر مغز اعلیٰ درجے کی تقریر فرمائی۔ چاروں طرف سے واہ واہ احسنت کی صدائیں آرہی تھیں۔ مسئلہ علم غیب پر بھی اس موقع پر وہ دلائل پیش کیے جن سے علماء کے کان نا آشنا تھے۔ بحمدہ تعالیٰ جلسہ بخیر وخوبی ختم ہوا اور فتح وظفر کے ساتھ گروہ اہل حق مراد آباد سے واپس ہوا۔

ترجمہ قرآن مجید:۔

اس زمانہ پر فتن میں زمانہ کی حالت بدلی ہوئی اور گمراہی کے اسباب اور ضلالت کی کثرت دیکھتے ہوئے یہ خیال پیدا ہوا کہ بدمذہبوں کو عوام کے گمراہ کرنے کا ایک بڑا ذریعہ قرآن مجید کے تراجم ہیں۔ کبھی تو وہ لفظوں میں گنجائش پاتے ہوئے ترجمے میں کوئی ایسی بات لکھ دیتے ہیں جن سے عوام کو گمراہ کرنے اور بہکانے کا موقع ملے اور کبھی نفس ترجمہ میں

گنجائش نہیں ہے تو حاشیہ اور فوائد کا اضافہ کر کے بعض گمراہی کی باتیں لکھ جایا کرتے ہیں۔

شاہ عبدالقادر کا ترجمہ تقریباً صحیح ہے:۔

ان ترجموں میں ایک ایسا ترجمہ جو تقریباً صحیح کہا جا سکتا ہے شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کا ترجمہ ہے۔ ان کے ترجمہ کے سوا اردو میں جتنے بھی ترجمے ہیں سب میں بہت کوتاہیاں اور بہت اغلاط ہیں مگر شاہ صاحب کا ترجمہ پرانی زبان میں ہے جو ہندوستان میں آج کل بالکل متروک ہو چکی ہے بلکہ مدتوں سے لوگ اس زبان کو چھوڑ چکے ہیں اس واسطے وہ ترجمہ عوام کے واسطے کار آمد نہ رہا اور پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔

بدمذہبوں کو تراجم لکھنے اور اس سے عوام کو گمراہ کرنے کا پورا موقع ملا ضرورت تھی کہ قرآن پاک کا کوئی صحیح ترجمہ جو ہر قسم کے اغلاط سے پاک ہو عوام کے سامنے پیش کیا جائے۔ جس کو وہ پڑھا کریں اور اپنی استعداد کے موافق قرآن پاک سے فائدہ اٹھائیں۔ لہذا اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا بریلوی) سے قرآن پاک کے ترجمہ کے متعلق عرض کیا گیا اور زمانے کی ضرورت پیش کی گئی۔

اشاعت ترجمہ کی مشکلات:۔

اس کام کی اہمیت اور ذمہ داری کو دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا یہ تو بہت ضروری ہے مگر اس کے چھپنے کی کیا صورت ہوگی؟ اس کی طباعت کا کون اہتمام کرے گا؟ باوضو کاپیوں کا لکھنا اور باوضو کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح کرنا اور تصحیح بھی ایسی ہو کہ زیر زبر یا نقطے یا علامتوں کی بھی غلطی باقی نہ رہ جائے، پھر یہ سب چیزیں ہو جانے کے بعد جو چیز بڑی مشکل ہے وہ یہ ہے کہ پریس مین اور کلکش ہمہ وقت باوضو رہیں، بغیر وضو پتھر کو نہ چھوئیں، پتھر کاٹنے میں احتیاط کی جائے، چھپنے میں ردیاں نکلتی ہیں ان کو بھی بہت احتیاط سے رکھا جائے، غرض یہ کہ جتنی بھی احتیاطیں ضروری اور درکار ہیں ان کا پورا ہونا بظاہر دشوار اور ناممکن سا معلوم ہوتا ہے اور جب چھپنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی پھر ترجمہ لکھنے سے کیا فائدہ؟ کہ ترجمہ عوام کے لئے لکھا جائے گا کتب خانے کی الماری میں رہنے سے عوام کیلئے کیا فائدہ؟ میں نے عرض کیا

ان شاء اللہ جو باتیں ضروری ہیں ان کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اسی طرح
چھاپا جائے گا جو شریعت کے مخالف نہ ہو اور فرض کیا جائے کہ ہم سے ایسا نہ ہو سکا تو جب ایک
چیز موجود ہے ہو سکتا ہے کہ آئندہ کوئی دوسرا شخص اس کے طبع کرانے کا انتظام کرے اور مخلوق
خدا کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے، اگر اس وقت یہ کام نہ ہو سکا تو آئندہ ہم کو اس کے نہ
ہونے کا بڑا افسوس ہوگا اور اس وقت کا افسوس کرنا بیکار ہوگا۔ مگر کچھ ایسے ضروری وقتی کام تھے
جنکی وجہ سے اس کام کو کچھ دنوں کیلئے ملتوی کرنا پڑا۔

ترجمہ قرآن پاک کا اہتمام:۔

یہ فرمایا کہ دوسرے لوگوں کے بھی تراجم حاصل کر لئے جائیں تاکہ اس ضمن میں
ان کے اغلاط پر تنبیہات بھی کر دی جائیں، یہ بھی ایک ضروری کام ہے اور (دوسروں کے
ترجمے والا) قرآن پاک ڈاک وغیرہ سے نہ منگایا جائے کہ اس میں بے ادبی ہوتی ہے، بلکہ
اس کیلئے جہاں سے دستیاب ہوتے ہوں جا کر ایسے طریقے پر لایا جائے کہ بے ادبی نہ ہو۔
میری عدیم الفرصتی اور کام کی کثرت نے مہینوں تک تراجم کے حاصل کرنے کا موقع نہ دیا خیر
کسی نہ کسی طرح انہیں شرائط کے موافق اس زمانے میں جتنے ترجمے شائع ہو چکے تھے سب
حاصل کر لئے گئے اور ترجمے کا کام بفضلہ تعالیٰ شروع ہوا۔

ترجمہ کا طریقہ کار:۔

چند روز تک یہ طریقہ رہا کہ آیت پڑھی جاتی اور اعلیٰ حضرت اس کا ترجمہ لکھواتے
اس کے بعد حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ، شاہ ولی اللہ، شاہ عبد القادر صاحب، شاہ رفیع
الدین صاحب، ڈپٹی نذیر احمد، مرزا حیرت دہلوی اور مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہم کے
ترجمے سنائے جاتے، ان تراجم میں جہاں کہیں غلطیاں ہوتیں ان پر تنبیہ فرماتے چند روز کے
بعد یہ محسوس ہوا کہ اس طرح کرنے میں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے اور کام کم ہوتا ہے اور
مترجمین کی اغلاط پر تنبیہات تو ایک جداگانہ کام ہے اس ترجمے کے بعد اگر موقع ملا تو اس
طرف توجہ کی جائے گی، لہٰذا ان تراجم کا سنانا موقوف کیا گیا۔

حضرت سعدی کا ترجمہ قرآن پاک:۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا ترجمہ فارسی میں اور شاہ عبد القادر صاحب کا اردو
میں یہ دو ترجمے سنائے جاتے اور اس کا سلسلہ اخیر تک جاری رہا۔ حضرت سعدی علیہ الرحمہ کا
ترجمہ نہایت پاک وصاف سوا اس کے کہ وہ مذہباً شافعی ہیں آیات کا مطلب شافعیہ کچھ اور
لیتے ہیں اور حنفیہ کچھ اور، وہاں تو ان کا ترجمہ ہمارے مذہب کے خلاف ضرور تھا، ورنہ کہیں
بھی بظاہر کوئی سقم نظر نہیں آیا۔ شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ بھی تقریباً صحیح ہے مگر بعض جگہ
ان کے ترجمہ میں بھی خرابی نظر آئی۔

کچھ دنوں ترجمہ ہونے کے بعد میں وطن چلا آیا اور یہ کام رک گیا۔ واپسی کے بعد
پھر آپ نے اس کام کو شروع کرنا چاہا مگر کچھ دیگر دینی ضروریات ایسی مانع ہوئیں کہ گرمیاں
آئیں اور ختم بھی ہو گئیں اور برسات کا موسم شروع ہو گیا۔ اب ترجمہ کا کام شروع ہوا ایک
طرف برسات کی گرمی اور بالکل قریب لالٹین اور ان پر کیڑوں اور پتنگوں کا ہجوم، کبھی ہاتھ
پر کبھی آستین کے اندر کبھی پاجامے میں، بہت مرتبہ کاغذ اور قلم میں پھنسے اس طرح مجتمع ہو
جاتے تھے کہ لکھنا بہت دشوار ہو جاتا تھا، پھر بھی کئی کئی گھنٹہ اسی حالت میں گزار دیتا تھا اور
بحمدہ تعالیٰ اس کام کو انجام دیا جاتا۔

ترجمہ کلام پاک کا طریقہ:۔

ترجمہ کا املا کرنے اور اس کے تحریر کرنے کی نوعیت یہ ہوتی کہ پہلے میں پوری آیت
پڑھتا تھا اگر چہ وہ کتنی ہی بڑی ہوتی، اس کے بعد اعلیٰ حضرت ترجمے کا املا فرماتے، بعض مرتبہ
مسلسل دو تین سطر کی عبارت ایک ساتھ بلا توقف بول دیا کرتے تھے، مگر بفضلہ تعالیٰ اس کے
قلم بند کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی، نہ کوئی لفظ کم و بیش ہونے پاتا تھا۔ جو کچھ
ترجمہ جس روز تحریر کیا جاتا تھا اس کی مقدار مع تاریخ نوٹ کر دی جاتی، میرے ہاتھ کا لکھا ہوا
ترجمہ اب تک مولانا نعیم الدین صاحب کے پاس محفوظ ہے، کہ وہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں
صاحب سے اعلیٰ حضرت کے کتب خانہ سے نکلوا کر بغرض طباعت لے گئے، اگر چہ وہ کتاب

میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی، مگر اس کے لکھنے سے میرا مقصد یہ نہ تھا کہ اس پر مالکانہ قبضہ کروں اس لئے میں نے کبھی اس کیلئے تقاضا نہ کیا، اس ترجمہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک روز میں کتنا ترجمہ ہوا؟ اور جن الجھنوں میں لکھا گیا ہے اس کے باوجود کتابت اغلاط سے کس درجہ پاک ہے؟ اس ترجمہ کے لکھنے اور لکھوانے کی جو خدمت میں نے انجام دی ہے وہ میری نجات اخروی کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ جن مشکلات کا اس میں مقابلہ کیا غالباً دوسرا شخص یہ نہ کرتا اور یہ کام صرف تخئیل اور وہم ہی میں رہتا خارج میں اس کا ظہور نہ ہوتا۔

ترجمہ کے بعد تفسیر:۔

ترجمہ کے بعد میں نے چاہا تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ اس پر نظر ثانی فرمالیں اور جا بجا فوائد تحریر کر دیں۔ چنانچہ بہت اصرار کے بعد یہ کام شروع کیا گیا، دو تین روز تک کچھ لکھا گیا مگر جس انداز سے لکھوانا شروع کیا اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ قرآن پاک کی بہت بڑی تفسیر ہوگی، کم از کم دس بارہ جلدوں میں پوری ہوگی۔ اس وقت خیال پیدا ہوا کہ اتنی مبسوط تحریر کی کیا حاجت ہر صفحہ میں کچھ تھوڑی تھوڑی باتیں ہونی چاہئیں جو حاشیہ پر درج کر دی جائیں لہٰذا یہ تحریر جو ہو رہی تھی بند کر دی گئی اور دوسری کی نوبت نہ آئی۔ کاش وہ مبسوط تحریر جو اعلیٰ حضرت لکھوا رہے تھے اگر پوری نہیں تو دو ایک پارے تک ہی ہوتی جب بھی شائقین علم کیلئے وہ جواہر پارے بہت مفید اور کار آمد ہوتے مگر افسوس کہ ہم خود بھی محروم رہے اور دوسرے لوگ بھی اس سے متمتع نہ ہو سکے۔

اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں فتوی نویسی:۔

فتوی نویسی جو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں انجام دیا کرتا تھا وہ اکثر اور عموماً املاء کی صورت میں ہوتی تھی کہ اعلیٰ حضرت کے سامنے سوال پڑھ کر سنا دیا جاتا تھا پھر جواب ارشاد فرماتے اور لکھ لیا جاتا، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ سوالوں سے متعدد نمبر، ایک ساتھ سنا دئے جاتے اور سب کے جواب سلسلہ وار اور نمبر وار املا فرمایا کرتے تھے جن سے اعلیٰ حضرت کے حافظہ اور ذہانت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس میں کچھ شائبہ خوبی تحریر بھی تھا:۔

اعلیٰ حضرت قبلہ نے متعدد بار یہ فرمایا کہ دو شخص جب میرے پاس کچھ لکھنے بیٹھتے ہیں تو مجھے غور و خوض اور سوچنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل میرے قلب پر مضمون کا القاء ہوتا ہے ایک حضرت مولانا وصی احمد صاحب سورتی دوسرے مولانا امجد علی اعظمی۔

منصب افتاء و قضا کی تفویض:۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے بعض علماء اعلام کی موجودگی میں مولانا امجد علی و مولانا مصطفٰے رضا خان صاحبان کو منصب افتاء پر فائز فرمایا یہ کہتے ہوئے کہ شریعت کی جانب سے اللہ عزوجل اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے جو اختیار مجھے عطا فرمایا ہے۔ اس کی بنا پر میں ان دونوں کو اس کام پر مامور کرتا ہوں نہ صرف مفتی بلکہ شرع کی جانب سے ان دونوں کو قاضی مقرر کرتا ہوں کہ ان کے فیصلے کی وہی حیثیت ہوگی جو ایک قاضی اسلام کی ہوتی ہے اور اپنے سامنے تخت پر بٹھا کر اس کام کیلئے قلم دوات وغیرہ سپرد کیا۔

ایک خواب:۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت قبلہ کے زمانہ حیات میں حسب ضرورت افتاء کا کام بھی انجام دیتے رہے اور جو کچھ دشواری پیش آتی اس میں اعلیٰ حضرت سے مدد لیتے تھے۔ اس سلسلے میں یہ ذکر بھی نامناسب نہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت کی وفات سے چند روز بعد خواب میں دیکھا تقریباً دس بجے دن کا وقت ہوگا، زنانے مکان سے کچھ کاغذ ہاتھ میں لئے ہوئے برآمد ہوئے اور جس پلنگ پر باہر تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔ اس کے قریب حسب دستور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں ایک کرسی پر میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اپنے پلنگ کے پاس تشریف لا کر وہ تمام کاغذات میرے حوالے کئے، اس وقت میری زبان سے نکلا کہ آپ کا تو انتقال ہو چکا ہے، آپ کیسے تشریف لائے؟ فرمایا ہم اسی طرح آیا کریں گے، خواب سے بیدار ہونے کے بعد میں نے یہ تصور کیا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح میرے زمانہ حیات میں تم یہ سب

کام انجام دیا کرتے تھے اب بھی یہ چیزیں تمہارے سپرد کی جاتی ہیں، لوگوں کی تحریر کا جو
دینا تمہارے ہی متعلق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد بلا تکلف اس خدمت افتاء وغیر
انجام دیتا رہا اور سمجھ لیا کہ جس طرح اعلیٰ حضرت نے اپنی حیات میں اس کام کو تفویض فر
تھا اب بھی اسی کام کو مجھ سے لینا چاہتے ہیں اور جو کچھ دشواریاں ہونگی اس میں وہ خود مد
ہوں گے چنانچہ کبھی باوجود اپنی کم بضاعتی کے اس معاملہ میں دشواری پیش نہیں آئی فللہ الحمد

اعلیٰ حضرت کا دربارِ عام:۔

اعلیٰ حضرت کے معمولات میں تھا کہ روزانہ بعد نماز عصر مغرب تک مردانے م
میں تشریف فرما ہوتے اور وہی وقت روزانہ حضور سے ملاقات کا تھا۔ کوئی صرف ملنے کیلئے
کوئی مسئلہ دریافت کرنے کیلئے، بعض لوگ استفتاء بھی کرتے جنکے جواب لکھوادیا کرتے
اسی وقت میں بعض مرتبہ بیرونی استفتاء بھی جو آئے ہوئے ہوتے ان کے جواب لکھوا
جاتے اور ہر ہفتہ میں جمعہ کے دن نماز جمعہ سے عصر تک اور عصر سے بعد مغرب تک
تشریف رکھا کرتے۔

اعلیٰ حضرت کی بزم میں ذکر دنیا نہ ہوتا:۔

جمعہ کے بعد حاضرین کی ایک بڑی جماعت موجود رہتی، اس وقت عموماً دینی با
لوگ دریافت کرتے اور حضور جواب دیتے یا کسی حدیث یا آیت کے متعلق بیان فرماتے
اولیاء کرام کے واقعات بیان کرتے۔ حاضرین آستانہ میں سے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا
میں نے اعلیٰ حضرت کو دنیا کی باتوں میں گفتگو کرتے دیکھا، ہمیشہ کوئی نہ کوئی دینی تذکرہ
رہا کرتا۔

ایک مرتبہ کسی بڑے عالم مرجع افتاء کا تذکرہ فرمایا کہ ان سے لوگ اس کثرت
فتوی پوچھا کرتے تھے کہ حالت نزع میں بھی ان سے مسائل پوچھے اور انہوں نے جوابا
دیئے۔ اس تذکرے کے بعد حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا آپ سے بھی ایسے ہی
کہ لوگ اس وقت بھی استفادہ کریں گے اور دینی معلومات حاصل کریں گے۔ ارشاد فر

اگر تائید ایزدی شامل رہی تو جس وقت بھی مجھ سے مسائل پوچھے جائیں گے اس کا جواب
دونگا اور ان شاء اللہ اسے صحیح جواب دوں گا۔

وصال سے ایک روز قبل استفتاء کی مثال:۔

وصال سے ایک روز قبل میرے پاس ایک استفتاء آیا جس میں مجھے کچھ دشواری
پیش آئی اور صحیح بات کی طرف ذہن منتقل نہ ہوتا اور جو بات ذہن میں آتی مخدوش نظر آتی۔
میں حاضر آستانہ ہوا پردہ کرا کر حضور کی خدمت میں پہنچا۔ مزاج پرسی وغیرہ کے بعد استفتاء کا
مضمون عرض کیا اور یہ بھی کہ اس کا جواب کیا ہونا چاہیئے؟ اس کا جواب ارشاد فرمایا پھر میں نے
عرض کیا یہ حکم کس کتاب میں اور کس مقام پر ہے؟ فرمایا بحر الرائق میں فلاں مقام پر۔ اس
کے بعد فرمایا آج میری ایک لڑکی میرے سامنے آئی بہت دیر تک میں سوچتا رہا اور اس کا نام
مجھ کو یاد نہیں آتا تھا۔ اب میرے دماغ کی یہ حالت ہے مگر الحمد للہ کہ دینی مسائل وعقائد اور
بدمذہبوں کے جملہ مضامین میرے پیش نظر ہیں، ان باتوں کیلئے مجھے غور وخوض کی حاجت
نہیں۔ کسی بدمذہب کو کس بارے میں عاجز کیا جا سکتا ہے؟ اس کی دکھتی رگ کون سی ہے اب
بھی بلا تامل بتا سکتا ہوں۔ میں نے سمجھ لیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو خدمت آپ کو سپرد
فرمائی ہے وہ آپ آخیر وقت تک برابر انجام دیتے رہیں گے۔

اعلیٰ حضرت کی مسجد میں نماز کی امامت:۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اعلیٰ حضرت نے امامت کی خدمت بھی سپرد فرمائی تھی۔ فجر، ظہر،
عصر تین نمازیں خود اعلیٰ حضرت پڑھایا کرتے تھے اور مغرب وعشاء یہ دونوں وقت عموما
دوسرے سے پڑھواتے تھے۔ اعلیٰ حضرت کی مسجد میں ان کے حکم سے ان کی موجودگی میں
صرف چار شخص نماز پڑھایا کرتے تھے۔ مولانا حامد رضا خان صاحب خلف اکبر، مولوی محمد
رضا خان صاحب برادر خورد، حافظ یقین الدین صاحب یہ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ بھی تھے اور
قرآن پاک رمضان میں بھی سنایا کرتے تھے اور مولانا امجد علی اعظمی۔ نمازوں کی ادائیگی میں

اتنی احتیاطیں کی جاتیں جن کو کہیں نہیں دیکھا۔

وصال کے وقت سے کئی سال پیشتر سے جمعہ کی امامت بھی اعلیٰ حضرت نے میرے ذمہ سپرد فرمادی تھی۔ خصوصاً مقدمہ بدایوں کے زمانہ میں کہ اسی دوران میں ایک سال سے زیادہ تک صرف میں ہی نماز پڑھایا کرتا تھا۔

وضواور نماز کا امتحان:۔

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت نے منظر اسلام کے جملہ مدرسین وطلباء کے متعلق حکم صادر فرمایا کہ سب لوگ وضو مولانا امجد علی صاحب کے سامنے کریں اور پھر ان کی نگرانی میں دو رکعت نماز بالجبر ادا کریں اور یہ حکم دیا تھا کہ ان کے وضواور نماز کو اچھی طرح دیکھا جائے اور اس میں جو کچھ غلطیاں ہوں بتائی جائیں، جن لوگوں کی غلطیاں دیکھی جائیں ان کو موقع دیا جائے کہ کچھ دنوں مشق کرنے کے بعد پھر اپنے وضواور نمازوں کا امتحان دیں، جس کے متعلق کہدیں کہ اس کا وضواور نماز صحیح ہے، وہی شخص شہر کی کسی مسجد کی امامت کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ مدرسین وطلباء نے اس حکم کی پابندی کی اور بفضلہٖ تعالیٰ اپنا وضواور نمازیں لوگوں نے درست کیں۔ ایک مدرس صاحب کو یہ چیز ناپسند آئی اور انہوں نے کسی کے سامنے وضواور نماز کا امتحان دینا اپنے لئے باعث ذلت سمجھا وہ مدرسہ کی ملازمت سے مستعفی ہوکر اپنے وطن چلے گئے اور ویسے ہی رہ گئے اور جن لوگوں نے اس میں اپنی ذلت محسوس نہ کی وہ بفضلہٖ تعالیٰ وضو اور نماز کے ادا کرنے میں مسائل شرعیہ کی پوری پابندی کرتے ہیں۔

سلاسل تصوف کی خلافت:۔

اٹھارہ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو بموقع عرس سراپا قدس حضرت سیدنا آل رسول صاحب قدس سرہ العزیز ورضی اللہ عنہ بغیر کسی تحریر وطلب کے اعلیٰ حضرت نے جملہ سلاسل قادریہ قدیمہ وجدیدہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کی اجازت تامہ وعامہ عطا فرمائی، اور اپنا خلیفۂ مطلق کیا اور اپنا عمامہ سر اقدس سے اتار کر میرے سر پر باندھا اور اپنی زبان پاک سے یہ الفاظ ادا فرمائے کہ "جملہ وظائف واذکار واعمال اور اپنی تمام مرویات حدیث وفقہ وجملہ علوم

کی اور اپنی تمام تصانیف کی بلا استثناء میں اجازت تامہ وعامہ دیتا ہوں۔"

اعلیٰ حضرت کا یہ ایک کرم خاص تھا جو مجھ ایسے ناچیز پر فرمایا اگرچہ میں جانتا تھا اور اور اب بھی جانتا ہوں کہ میں اس کے قابل نہیں اور اس عہدۂ جلیلہ کی ذمہ داری کے لائق نہیں مگر جب انہوں نے اپنے کرم خاص سے اس فقیر کو نوازا اور سرفراز فرمایا تو اس کی ساری ذمہ داری انہیں کے سر ہے، میں اب بھی جانتا ہوں کہ اس سلسلے میں جو کچھ کرتا ہوں اور کسی کو بھی سلسلہ میں داخل کرتا ہوں تو یہی سمجھ کر داخل کرتا ہوں کہ میں اسے اعلیٰ حضرت ومشائخ کے حوالہ کردیتا ہوں اور اس کی ساری فلاح وبہبود کی انہیں سے درخواست کرتا ہوں۔

اعلیٰ حضرت کے مزاج میں دخل:۔

اعلیٰ حضرت کے بہت سے خلفاء وہ ہیں جن کو محض میری تحریک پر خلافت عطا فرمائی نہیں بلکہ بعض وہ بھی ہیں جن کو خلافت دینا نہیں چاہتے تھے مگر میرے کہنے اور اصرار کرنے پر ان کو خلافت دیدی۔

اعلیٰ حضرت کا وعظ:۔

اعلیٰ حضرت قبلہ وعظ فرمانے سے گریز کیا کرتے تھے۔ سال میں دو وعظ اپنی خوشی سے بغیر کسی کے کہے فرماتے تھے ایک اپنے پیر ومرشد سیدنا آل رسول صاحب رضی اللہ عنہ کے عرس میں اور دوسرے بارہویں ربیع الاول شریف کو۔ ان دو تقریروں کے علاوہ اگر کبھی کوئی تقریر کی ہے تو بہت زیادہ لوگوں کے اصرار اور مجبور کرنے، پر یہاں تک کہ مدرسہ منظر اسلام کے جلسے جو اعلیٰ حضرت قبلہ کے زمانہ میں مسجد بی بی جی میں نہایت شاندار اور کامیاب ہوا کرتے تھے۔ ان جلسوں میں بھی جب کبھی تقریر فرمائی ہے، بہت سے لوگوں، علماء واکابر کے اصرار کرنے پر۔ اعلیٰ حضرت کی تقریر نہایت پر مغز بہت زیادہ موثر اور تقریر میں علمی نکات بکثرت ہوا کرتے تھے۔ کبھی کوئی تقریر ایسی نہیں ہوئی جس میں سامعین پر عموماً گریہ نہ طاری ہوا ہو اور ہر طرف سے آہ وبکا کی آوازیں نہ آئی ہوں۔ اعلیٰ حضرت کا وعظ سننے کیلئے لوگ دور دور سے آیا کرتے تھے۔ خصوصاً رامپور، مرادآباد، شاہ جہاں پور، پیلی بھیت وغیرہ۔

وعظ وتقریر کی جانشینی:-

ایک مرتبہ ربیع الاول کے جلسے میں اثناءِ تقریر میں کچھ مزاج ناساز ہوگیا- دردسر کی شدت اتنی ہوئی کہ تقریر جاری نہ رکھ سکے، تقریر روکنے کے بعد تخت پر مجھے بلایا اور ارشاد فرمایا کہ آپ تقریر کریں- میں نے عرض کیا کہ کیا چیز بیان کروں ارشاد فرمایا کہ جو مضمون میں بیان کررہا تھا اس کی تکمیل کرو- بھلا کہاں اعلیٰ حضرت کا بیان اور کہاں مجھ بے بضاعت کا بیان، مگران کا حکم تھا تعمیل کرنی پڑی، یہ تو میں کہہ نہیں سکتا کہ اعلیٰ حضرت کے بیان کی تکمیل تھی مگر جو کچھ ہوسکا اخیر وقت تک اس سلسلہ میں بیان کرکے مجلس کو ختم کیا- ربیع الاول شریف کی مجلس کا نہایت درجہ اہتمام ہوتا تھا، نیا لباس خاص طور پر اسی موقع کیلئے بنایا جاتا، غسل فرماتے، کپڑے پہنتے خوشبو وغیرہ استعمال کرتے اور یہ فرماتے کہ یہ ہمارے لئے عید اکبر ہے، میرے رشتہ داروں میں جو اس روز میرا شریک ہے اس کو اپنا شریک جانوں گا ورنہ نہیں یہی میرے یہاں کی شادی ہے اور اسی کی شرکت سے سب سے زیادہ محظوظ ہوتا ہوں-

ایک مرتبہ مزاج ناساز تھا بہت کوشش فرمائی کہ مجلس میں چلوں وقت ہوچکا تھا مگر علالت نے مہلت نہ دی، مولوی محمد رضا خان صاحب عرف ننھے میاں حاضر ہوئے اور تشریف لے چلنے کیلئے کہا- ارشاد فرمایا کہ اس وقت حرارت ہے طبیعت ناساز ہے ابھی نہیں جاسکتا، جاؤ امجد علی سے کہہ دو کہ وہ بیان کردے "اور اس کے سوا ہے کون، جو ہے وہی ہے"- اعلیٰ حضرت کے حکم کے مطابق بیان کرنا شروع کیا- کچھ دیر کے بعد جب مزاج میں سکون پیدا ہوا تو تشریف لائے اور حکم دیا کہ تقریر جاری رکھو، تقریر کو ایک حد تک پہنچایا- اس کے بعد عرض کیا کہ سامعین حاضرین چند الفاظ حضور کی زبان پاک سے سننا چاہتے ہیں ان کے دل جوش عقیدت سے لبریز ہیں آخر میں مختصر سا کچھ مضمون پھر بیان ولادت پر اس سلسلہ کو ختم کیا- تقریر کا سنانا تو روز ہی ہوتا رہتا ہے- یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں، مگر اعلیٰ حضرت کے وہ الفاظ جو انہوں نے ننھے میاں سے فرمائے تھے وہ ایسے پرذوق ہیں جسکا ذوق خود ننھے میاں بیان کرتے تھے اور کبھی کبھی اس کا تذکرہ کرکے لطف اٹھایا کرتے تھے-

اعلیٰ حضرت کی عادت تھی کہ دو تین آدمیوں کے علاوہ کسی کی تقریر نہیں سنتے- ان دو تین آدمیوں میں ایک میں بھی تھا- یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ عموماً مقررین اور واعظین میں افراط وتفریط ہوتی ہے- احادیث کے بیان کرنے میں بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملادیا کرتے ہیں اور ان کو حدیث قرار دے دیا کرتے ہیں جو یقیناً حدیث نہیں ہیں- الفاظ حدیث کی تفسیر وتشریح اور اس میں بیان نکات امر آخر ہے اور یہ جائز ہے مگر نفس حدیث میں اضافہ اور جس شے کو حضرت نے نہ فرمایا ہو اس کو حضور ﷺ کی طرف نسبت کرنا یقیناً وضع حدیث ہے جس پر سخت وعید وارد ہے لہذا ایسی مجالس میں اپنی شرکت پسند نہیں کرتا جہاں اس قسم کی خلاف شرع بات ہو-

اذان جمعہ بیرون مسجد کا قصہ:-

اذان جمعہ بیرون مسجد معلوم نہیں کتنے دنوں سے اعلیٰ حضرت قبلہ کی مسجد میں ہوا کرتی تھی اور اس کے متعلق ایک مختصر فتوی بھی غالباً تحفۂ حنفیہ میں شائع ہوچکا تھا- ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت قبلہ پیلی بھیت تشریف لے گئے تھے- جمعہ کا دن آیا تو وہاں کے بعض لوگوں نے یہ چاہا کہ اذان جمعہ بیرون مسجد ہو جیسا کہ بریلی میں ہوا کرتی ہے چنانچہ اذان باہر ہوئی- اعلیٰ حضرت نے خطبہ اور نماز پڑھائی- جب وہاں سے واپس تشریف لائے تو بعض وہ لوگ جن کے عقائد اچھے نہ تھے یا جن میں نفسانیت غالب تھی اس پر چہ میگوئیاں کرنے لگے، شدہ شدہ یہ خبر بریلی پہنچی- یہاں کے بعض لوگوں کے اصرار واستفسار پر ایک مفصل فتوی اس مسئلہ کے متعلق لکھا گیا جو اشتہار کی شکل میں شائع ہوا- پیلی بھیت کے وہ لوگ جن کے دل صاف نہ تھے اس کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے اور جگہ جگہ سے انہوں نے فتوے حاصل کرنے چاہے- وہابیوں نے بھی مخالفت میں فتوی لکھے علماء رامپور اور علماء بدایوں نے بھی تحریر کئے جن کے جوابات دئے گئے- اب اس کے بارے میں طرفین سے متعدد رسالے شائع ہوئے- مخالفین باوجود اپنی تمام تر کوششوں کے ایک عبارت بھی کسی کتاب کی ایسی نہ پیش کرسکے جس میں صراحۃً اذان جمعہ کا اندرون مسجد ہونا مذکور ہو- جب کچھ ہاتھ نہ آیا تو بعض علماء رامپور نے

عبارتیں گڑھیں اور صلوٰۃ مسعودی کی طرف نسبت کی، مگر صلوٰۃ مسعودی دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ بالکل افتراء اور من گھڑت ہے- جملہ مخالفین نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر اس مروجہ اذان کو جو عموماً ہندوستان میں اندرون مسجد ہوتی ہے نہ حدیث سے ثابت کر سکے نہ فقہ کی کسی کتاب سے، حدیث میں نظر کی جاتی ہے تو اس اذان کا بیرون مسجد ہونا ہی نبی کریم ﷺ کے زمانہ وابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ثابت ہے-

سنن ابی داؤد میں حضرت ثابت بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان زمانوں میں اذان خطبہ دروازۂ مسجد پر ہوا کرتی تھی اور فقہ کی طرف نظر کی جاتی ہے تو "لایؤذن فی المسجد ویکرہ الاذان فی المسجد وغیرہ- ایسی عبارتیں ملتی ہیں جن سے اندرون مسجد مطلقاً اذان کی ممانعت وکراہت ثابت ہے- کسی کتاب میں بھی اذان جمعہ کو اس سے مستثنا نہیں کیا گیا- لے دے کر مخالفین کے پاس کچھ ہے اور اسے دلیل کے نام سے پکارتے ہیں وہ لفظ "عند المنبر وبین یدیہ" ہے مگر یہ دونوں لفظ اپنے اطلاق شرعی ولغوی میں ایسے نہیں جس کا مدلول اندرون مسجد ہی میں منحصر ہو سکے- قرآن واحادیث وغیرہ سے ان کے اطلاقات کی وسعت پر رسائل میں روشنی ڈالی گئی ہے-

اگر اس مسئلہ پر لوگوں نے مخالفت نہ کی ہوتی تو خیال ہو سکتا تھا کہ شاید جو ناواقفی سے کیا جا رہا ہے اس کا کوئی ثبوت ہو مگر مخالفین کی پوری جدوجہد نے ثابت کر دیا کہ ان کے پاس دلیل کا نام بھی نہیں- اس سلسلہ میں مخالفین کا عجز اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب علماء بدایوں کے رد میں تعبیر خواب وغیرہ کے بعد کتاب "سد الفراد" تحریر کی گئی اور اس میں مفصل طور پر ان کا رد کیا گیا تو ان سے کچھ جواب نہ بنا بلکہ کچہری کا دروازہ کھٹکھٹایا اور توہین ازالہ حیثیت عرفی کا دعوی کیا- اس دعوی میں پانچ مدعا علیہ تھے- اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ، مولانا محمد رضا خان صاحب برادر خورد، مولانا حامد رضا خان صاحب خلف اکبر، شاہد علی خان صاحب خواہرزادہ اور راقم السطور- دعوی ایک ایسے مجسٹریٹ کے یہاں ان لوگوں نے کیا جس سے ان کے خاندانی تعلقات تھے اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ میں پوری کوشش ان لوگوں

کی تذلیل میں صرف کروں گا اور ضرور یقینی طور پر اعلیٰ حضرت کو کچہری میں بلا کر کٹہرے میں کھڑا کیا جائے گا-

گفتہ او گفتہ اللہ بود:-

جب یہ خبر اعلیٰ حضرت کے پاس پہنچی ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ وہ کچھ نہ کر سکیں گے اور مجھے کچہری میں جانا نہ پڑے گا، مقدمہ کے واقعات بہت تفصیل طلب ہیں- ان بلوائیوں نے ایذا رسانی میں کوئی کمی نہ کی، یہاں تک کہ انہوں نے پانی بھی بند کر دیا کہ کوئی سقہ ان لوگوں کا پانی نہ بھرے اور شہر میں کہیں کوئی شخص ان کو رہنے کیلئے کوئی مکان نہ دے- اگرچہ کتنا ہی زیادہ یہ لوگ کرایہ دیں، مگر الحمد للہ ان کی ساری کوششیں ناکامیاب رہیں- پانی بھرنے کیلئے تاریخوں پر سقے جایا کرتے تھے اور جس زمانے میں کہ مقدمہ کی پیہم تاریخیں ہونے لگیں اور وہاں مکان کی ضرورت پڑی تو مکانات بھی مل گئے- مدتوں یہ مقدمہ چلا دعوی سے ایک سال زائد پر اس کا فیصلہ ہوا- جس میں یہی ہوا جو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا-

مقدمہ کے واقعات کو اعلیٰ حضرت کی کرامت سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے- اس مقدمہ کی پیروی کرنا اور کوشش کرنے کا کام صرف دو ہی شخصوں نے کیا ایک مولانا حامد رضا خاں صاحب کہ اس سلسلہ میں انہیں بہت جگہ آنا جانا پڑا دوسرے یہ فقیر کہ مقدمہ کی معلومات بہم پہنچانا اور گواہوں کو مضامین بتانا- جرح وغیرہ کے مضامین سکھانا اس کا بڑا حصہ میں نے ہی انجام دیا-

واقعہ مناظرہ رنگون:-

جنوری ۱۹۱۷ء بمطابق ۱۳۳۴ھ رنگون سے ایک تار آیا جو چودھری عبدالباری کا بھیجا ہوا تھا- مضمون یہ تھا کہ مولوی اشرف علی تھانوی یہاں آئے ہوئے ہیں، کیا آپ ان سے مناظرہ کرنے کیلئے یہاں آ سکتے ہیں؟ چودھری عبدالباری کو یہاں کے لوگوں میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ کون شخص ہیں اور کس خیال کے ہیں؟ رنگون میں جو لوگ اپنے جان پہچان کے تھے ان میں سے کسی کا تار نہ دینا اور ایک غیر معروف شخص کا اس قسم کی اطلاع دینا

باعث تعجب تھا اور یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ ممکن ہے پریشان کرنے کیلئے کسی نے اس قسم کا تار دیدیا ہو اور ساتھ میں پھر یہ خیال ہوتا تھا کہ واقعی مولوی اشرف علی صاحب جو ہمیشہ مناظرے سے فرار کرتے رہے ممکن ہے رنگون میں لوگوں کو عقیدت مند بنانے کیلئے مناظرہ کی تیاری ظاہر کی ہو اور یہ خیال کیا ہو کہ یہاں کون آئے گا؟ اور اگر آئیگا بھی تو کسی نہ کسی ترکیب سے مناظرہ ٹال دیا جائے گا- تاکہ لوگوں کی عقیدت باقی رہے اور جو لوگ ان کے دامن تزویر میں پھنس چکے ہیں وہ نکلنے نہ پائیں- اس معاملہ کو باہم، مشوروں سے یہ طے کیا گیا کہ چودھری عبدالباری صاحب سے مصارف سفر منگائے جائیں، اگر انہوں نے بھیج دیا تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ تار کسی فریب پر مبنی نہیں ہے- چنانچہ ان کو تار سے اطلاع دی گئی کہ تین شخصوں کیلئے سفر خرچ روانہ کر دیں کہ ان کو ہم یہاں سے روانہ کریں گے اس وقت مولوی عبدالعلیم صاحب میرٹھی بھی بریلی تھے، انہوں نے بھی جانے کیلئے آمادگی ظاہر کی، میں مولانا عبدالعلیم میرٹھی، مولانا عبدالکریم چتوڑی (یہ اس وقت میرے پاس پڑھنے کیلئے اپنے وطن سے آئے تھے اور مشغول تدریس تھے) یہ تینوں صاحبان بریلی سے کلکتہ ہوتے ہوئے رنگون جانے کیلئے روانہ ہوئے- اعلیٰ حضرت نے چودھری عبدالباری کے نام ایک تار روانہ کیا کہ فلاں فلاں شخص کو روانہ کرتا ہوں، اگر میرے آنے کی ضرورت ہو تو وقت پر میں بھی پہنچوں گا اور ایک تار کلکتہ بنام حاجی محمد لعل خان صاحب روانہ کیا کہ یہ لوگ فلاں ٹرین سے جا رہے ہیں- ہوڑہ میں گاڑی سے اترنے کے بعد استقبال والی جماعت میں سے بعض نے یہ کہا کہ آپ لوگ جن کے مناظرہ کیلئے رنگون جانا چاہتے ہیں سنا ہے کہ وہ کل خود کلکتہ آنے والے ہیں (یعنی تھانوی صاحب) اور بیان کنندہ نے یہ بھی بتایا کہ ان کے متعلق ایک اشتہار شائع ہوا ہے کہ وہ کل آئینگے اور پرسوں ان کا فلاں جگہ وعظ ہے- تلاش کرنے پر نہ تو اشتہار ملا اور نہ تھانوی صاحب کے آنے کی محقق اطلاع ملی-

جس شام کو کلکتہ اترے اس کی صبح کو رنگون جہاز جانے والا تھا اگر اس سے جاتے ہیں اور تھانوی صاحب کلکتہ آجاتے ہیں تو جانا بیکار اور اگر نہیں جاتے ہیں اور فرض کیجئے کہ

تھانوی صاحب بھی نہیں آئے تو ہمارے اس تین چار روز کی تاخیر سے اہل رنگون کو پریشانی اور مخالفین کو ہنسنے کا موقع ملتا ہے، لہٰذا یہ رائے طے پائی کہ مولوی عبدالکریم صاحب چتوڑی کو صبح کے جہاز سے رنگون روانہ کر دیا جائے اور ہم یہیں کلکتہ رہ کر تھانوی صاحب کا انتظار کریں-

مولوی عبدالکریم صاحب سے یہ کہہ دیا کہ اہل رنگون کو اس تقدیر پر کہ تھانوی صاحب وہاں موجود ہوں یہ سمجھا دیں کہ وہ گھبرائیں نہیں دوسرے جہاز سے فلاں اور فلاں آ رہے ہیں اور اسی مضمون سے کلکتہ سے ایک تار بھی دیدیا-- "چونکہ آج مولوی تھانوی صاحب کے یہاں آنے کی خبر ہے اس لئے ہم اپنا سفر ملتوی کرتے ہیں اور مولوی عبدالکریم صاحب کو روانہ کرتے ہیں-" رنگون کا جہاز آیا اس سے معلوم ہوا کہ تھانوی صاحب کلکتہ وارد ہوئے ہیں فلاں جگہ ان کا قیام ہوگا اور فلاں جگہ ان کی تقریر، یہ اطلاع پا کر میں نے تھانوی صاحب کے پاس ایک تحریر لکھی کہ رنگون سے یہ تار دیا گیا ہے کہ آپ مناظرہ کیلئے تیار ہیں اور علماء اہل سنت کو مناظرہ کی دعوت ہے کلکتہ آنے کے بعد ہم کو یہ معلوم ہوا کہ آپ آج یہاں وارد ہونا چاہتے ہیں ان دونوں باتوں کو سن کر سخت تعجب ہوا، اگر آپ مناظرہ کیلئے تیار تھے تو رنگون سے واپس کیوں آئے؟ اور نہیں تیار تھے تو سمندر پار مناظرہ کے اعلان کی کیا ضرورت تھی، بہرحال آپ کی آمد کی اطلاع پا کر میں یہاں رک گیا ہوں، اگر آپ واقعی مناظرہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم حاضر ہیں اگر آپ ہمارے پاس آنا چاہتے ہیں تو شوق سے آیئے، آپ کی حفاظت اور نقص امن کے ہم ذمہ دار ہیں، یہ مختصر تحریر لکھ کر مولوی محمد یحییٰ صاحب بلیاوی اور شیخ محمد یعقوب صاحب چھپراوی کے حوالے کی گئی کہ آپ دونوں صاحبان دو ایک معتبر آدمی کو لے کر مولوی اشرف علی صاحب کے پاس جائیں اور جواب لائیں- ان جانے والے صاحبان کا بیان ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب تک پہنچنے میں بہت دشواریاں پیش آئیں، مگر کسی نہ کسی طرح ہم ان تک پہنچ گئے اور تحریر ان تک پہنچا دی انہوں نے پڑھنے کے بعد مناظرہ سے انکار کر دیا اور حسب عادت تحریری جواب نہ دیا- یہ صاحبان وہاں سے تھانوی صاحب کا جو جواب لائے وہ اور تمام واقعات مفصل طور پر لکھ کر ایک اشتہار کی صورت میں

اسی روز شائع کیا گیا۔

علی رؤس الاشہاد اعلانِ حق:۔

اور اسی سلسلہ میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ ایک بڑے جلسہ میں تھانوی صاحب کا مناظرے کا اقرار پھر مقابلے کا نام سنتے ہی فرار، عام مسلمانوں کے سامنے بیان کر دیا جائے اور علی الاعلان ان کو دعوت مناظرہ بھرے جلسے میں دی جاوے کہ ان میں کچھ بھی دم ہو تو علماء حق کے سامنے منہ کھولیں اور علی رؤس الاشہاد ان کی گمراہی ظاہر ہوگی اور حق کا آفتاب نصف النہار پر چمکے گا اور ان کی ضلالت و بطالت خود ان کی زبان سے عالم آشکارا ہو جائے گی۔ سننے میں آیا تھا کہ رنگون سے واپسی کے بعد تھانوی صاحب تقریباً ایک ہفتہ تک کلکتہ میں قیام کریں گے، مگر جس ڈر سے رنگون سے وہ بھاگے اسی کا کلکتہ میں پھر سامنا کرنا پڑا۔ اگر قیام کرتے ہیں تو اپنے مریدین و معتقدین میں رسوائی ہوتی ہے، لہذا فرار کی ٹھہرائی اور اس کا بھی انتظار نہ کیا کہ میل ٹرین یا ایکسپریس سے روانہ ہوں مارے ڈر کے اور گھبراہٹ کے پسنجر ٹرین سے روانہ ہوئے۔ جو کتنی دیر کے بعد مغل سرائے پہنچے گی اور تھانوی صاحب کو اپنے وطن تک پہنچانے میں بنسبت ایکسپریس وغیرہ کے کتنا زائد وقت لے گی؟ جلسے کا چونکہ اعلان ہو چکا تھا اس لئے بڑی دھوم دھام سے اور شان و شوکت کے ساتھ جلسے کا انعقاد ہوا۔ تقریباً آٹھ نو ہزار کا مجمع ہوگا جس میں حضور اکرم ﷺ کے فضائل پر تقریر کی گئی اور اسی سلسلہ میں وہابیہ نے جو کچھ شان اقدس میں توہین کی ان کا اور خود تھانوی صاحب کی کتاب حفظ الایمان وغیرہ کا مکمل رد کیا گیا اور رنگون کے اس مناظرے کا واقعہ بھی سنایا گیا جس سے تھانوی صاحب وہاں سے بھاگ کر کلکتہ آئے اور جب یہاں بھی بچنے کی کوئی صورت نہ ہوئی تو راہِ فرار اختیار کی۔ سامعین ان بیانات سے نہایت محظوظ ہوئے اور ان کو وہابیوں کی مکاریاں اور شان رسالت میں ان کی بدگوئیاں معلوم ہوئیں اس جماعت سے سخت نفرت ہوئی اور جلسے نے علی الاعلان ان سے نفرت کی۔ جلسے کے دوسرے دن تھانوی صاحب کے مناظرے اور فرار کی مختصر کیفیت بریلی وغیرہ بھیجی گئی۔ رنگون چودھری

عبدالباری وغیرہ کو بذریعہ تار اطلاع دی گئی اور یہ بھی ان کو تار دیا گیا کہ تھانوی صاحب نہ صرف رنگون بلکہ کلکتہ سے بھی بھاگ چکے ہیں، اب رنگون آنے کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی اور ایک روز کلکتہ قیام کر کے بریلی واپس جائیں گے۔

ورود رنگون:۔

وہاں سے تار آیا کہ آپ کا رنگون پہنچنا نہایت ضروری ہے، فوراً یہاں تشریف لایئے اس تار کے آنے سے کلکتہ سے رنگون روانہ ہوئے اور اپنی روانگی سے اہل رنگون کو اطلاع دی۔ رنگون روانہ ہونے کے وقت پہنچانے والوں کا ایک کافی مجمع تھا جو صرف الوداع کرنے کیلئے آئے تھے۔ ہمارا جہاز جب رنگون کی گودی کے قریب پہنچا تو استقبال کرنے والوں کا ہجوم اور جہاز سے اترنے کا نظارہ ایک قابل دید منظر تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں اس وقت مسلمانوں کا مجمع گودی میں حاضر تھا۔ جو اپنے ان مہمانوں کیلئے اپنی آنکھیں فرش راہ کرنا چاہتے تھے۔ (اس وقت محض کلکتہ رنگون وغیرہ میں چند موٹریں تھیں) جہاز سے اترے تو استقبال کرنے والوں نے ملاقاتیں کیں، دیر تک ملاقاتوں کا سلسلہ رہا، پھر موٹر پر سوار ہو کر کئی موٹروں کے ساتھ یہ جلوس شہر کا دورہ کرتے ہوئے چودھری عبدالباری کے مکان پر پہنچا۔ اصل مقصد یہاں یعنی مناظرہ جس لئے ہم گئے تھے اگرچہ فوت ہو گیا تھا مگر چونکہ اسی سلسلہ میں جانا ہوا تھا، اس لئے سارے رنگون کی فضا اختلافی مسائل پر گفتگو چاہتی تھی، ہر جگہ اسی کا تذکرہ یہی چھیڑ چھاڑ یہی گفتگو نظر آتی تھی۔ سیٹھ عبدالستار اسماعیل گونڈل والے نے جن کی دوکان سورتی بازار میں تھی اور اعلیٰ حضرت قبلہ سے بیعت تھے اور مجھ سے بھی اس سے پہلے سے کافی معرفت تھی۔ یہ شخص خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے اس کے دل میں نہایت سچا جوش مذہب تھا اور بہت زیادہ دیندار پابند شرع، اس موقع پر جب ہم رنگون پہنچے تو اس نے اپنے نیک مشوروں اور اچھی رائے سے بہت مدد کی۔ عبدالغنی پی پی یہ چیت پور کے رہنے والے میمن تھے مذہب کا درد رکھتے تھے، پہلے یہ معمولی حیثیت کے شخص تھے ایک دوسرے میمن کے یہاں ملازم تھے مگر جنگ عظیم کے زمانہ میں ملازمت چھوڑ کر بغیر کسی سرمایہ کے

انہوں نے ایک مختصر سا کام کیا اور رفتہ رفتہ جنگ کے بعد تک اتنی ترقی کی کہ چھ سات
سے کم کی انکی حیثیت نہ تھی، یہ مع اپنے بیٹے عبدالستار کے نہایت حاضر باش تھے اور موٹر
کے ابتدائی دور میں ان کے پاس بھی ایک عمدہ نفیس موٹر کار تھی۔ جس کو انہوں نے ان علماء
سواری کیلئے جب تک ان کا رنگون میں قیام ہو مخصوص کر دیا تھا۔ اور اپنے ڈرائیور عبدا
(جو بارہ بنکی کے رہنے والے اور پکے سنی تھے) حکم دیدیا تھا کہ صبح سے رات کے ایک دو بجے
تک یہ موٹر ان کے پاس رہے جب سب کاموں سے فرصت پالیں اس وقت موٹر مکان
واپس ہوا کرے۔ چنانچہ جب تک رنگون میں قیام رہا ایسا ہی ہوتا رہا۔

رنگون میں اہل سنت کے جلسے:۔

بفضلہٖ تعالیٰ شہر رنگون میں بڑی دھوم دھام بڑی آب و تاب بڑے اہتمام کے
ساتھ نہایت کامیاب جلسے ہوتے رہے۔ جلسے میں کئی کئی ہزار کا اجتماع ہوتا تھا یہ وہ زمانہ تھا کہ
لاؤڈ اسپیکر کا نام بھی کہیں سننے میں نہیں آیا تھا۔ کئی کئی ہزار کے مجمع میں اس طرح تقریر کرنا کہ
سارے مجمع کو آواز پہنچے، کتنا دشوار امر تھا۔ بحمدہٖ تعالیٰ جلسہ ہمہ تن گوش بنا رہتا تھا۔ اول سے
اخیر تک پوری تقریر سنتا تھا اور ان تقریروں کا کافی طور پر اثر ہوتا تھا۔ تھانوی صاحب کا اعلان
مناظرہ کے بعد بھاگ جانا، پھر ان کے بعد علماء اہل سنت کا پہنچنا ان سب باتوں کا مجموعی
حیثیت سے اتنا اثر تھا کہ اہل سنت میں پوری بیداری ہو چکی تھی اور دینی باتیں سننے کیلئے ہمہ
تن گوش بنے ہوئے تھے۔ جلسوں میں دینی امور کے تذکروں کے ساتھ ساتھ بد مذہبوں
خصوصاً وہابیوں کا پورا پورا رد کیا جاتا تھا، جس سے سامعین بہت محظوظ ہوتے تھے اور ان کی
معلومات میں بہت اضافہ ہوتا تھا۔ روز بروز عوام کی دلچسپی بڑھتی دیکھ کر وہاں کے سورتی
وہابیوں کے دلوں میں آتش غضب بھڑکنے لگی اور اپنی آگ میں خود جلنے لگے۔ تھانوی
صاحب کے بلانے پر ان کو بہت افسوس رہا کہ ہمارے اتنے دنوں کا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا اور قصر
وہابیہ جس کو ہم نہایت مستحکم سمجھے ہوئے تھے صدائے حق سے پارہ پارہ ہو کر منہدم ہو گیا۔

وہابیہ کی ترکیبیں:۔

انہوں نے یہ سوچا کہ جس طرح تھانوی صاحب یہاں سے چلے گئے ان علماء اہل
سنت کو بھی یہاں رہنے نہ دیا جائے بلکہ ان کو یہاں سے نکالنے کیلئے کوئی تدبیر عمل میں لائی
جائے۔ مولوی ابراہیم جو سورتی مسجد کے اس وقت امام تھے اور تمام وہابیوں کے سرغنہ اور
سردار تھے سورتی مسجد کی امامت کی وجہ سے رنگون میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان
کے دل میں سب سے زیادہ خلش پیدا ہوئی۔ سوچتے سوچتے یہ ترکیب نکالی کہ کمپنیوں میں
سب سے بڑا شخص جمال برادرس جو کئی کروڑ کا مالک تھا۔ گورنمنٹ میں بھی اس کا بہت اعزاز
تھا۔ اس کمپنی کا مالک اس زمانہ میں عبدالکریم نامی تھا یہ شخص کثرت تمول کی وجہ سے بالکل
دین سے بے تعلق تھا، نیچریت دماغ میں گھسی ہوئی تھی اپنے گھر کی عورتوں کو موٹر پر بٹھا کر
ادھر ادھر سیر و تفریح کیلئے جایا کرتا۔ وہابیہ نے مشورہ کر کے مولوی ابراہیم کو عبدالکریم جمال
کے پاس بھیجا۔ مولوی ابراہیم نے جمال کے سامنے یہاں تک خوشامد کی کہ پگڑی اتار کر اس
کے قدم پر ڈال دی اور یہ کہا کہ ہماری عزت اور لاج تمہارے ہاتھ میں ہے۔ کسی طرح ایسی
ترکیب لگاؤ کہ یہ علماء اہل سنت چلے جائیں، بلکہ ان کے روانہ کرنے کی کوئی ایسی صورت
نکلے جس میں یہ بالکل مجبور ہو جائیں اور انہیں جانا ہی پڑے تو ہمارا کام بن جائے گا۔ اس
شخص کو دین سے تعلق تھا نہیں لیکن جب اس کے سامنے اتنی زبردست خوشامد کا مظاہرہ
کیا گیا تو اس کو مال و دولت کے گھمنڈ نے اس طرف متوجہ کر دیا کہ میں تو بڑے سے بڑا کام
کر سکتا ہوں دو تین مولویوں کو شہر رنگون سے نکال دینا کونسا مشکل ہے؟ اس بناء پر اس نے
وعدہ کر لیا۔ اتفاق سے چودھری عبدالباری جن کے وہاں ہم لوگ مقیم تھے اور ان کے چھوٹے
چھوٹے اسٹیمر سمندر میں چلا کرتے تھے۔ جہاز کے ملازمین نے اس زمانہ میں ہڑتال کی تھی
اور اپنی تنخواہوں میں کچھ اضافہ چاہتے تھے یہ معاملہ حکومت کی طرف سے عبدالکریم جمال
کے سپرد تھا کہ وہ اس میں فیصلہ کر دیں۔

چودھری صاحب خود گئے:-

عبدالکریم نے چودھری عبدالباری کو بلایا اور ان حضرات علماء کے متعلق یہ کہا کہ جس طرح ممکن ہو جلد سے جلد پہلے جہاز سے ان کو کلکتہ روانہ کر دیا جائے۔ جمال کی باتیں سن کر چودھری عبدالباری کے ہوش اڑ گئے کہ ایسا کرنا مذہب کے بھی خلاف اور مروت و شرافت کے بھی خلاف کہ جن مہمانوں کو اتنی کوششوں کے ساتھ بلایا گیا۔ ان کو اس طرح بلاوجہ رخصت کرنا میزبان کی نہایت درجہ ذلت اور سبکی ہے۔ ادھر جمال سے الگ خوف کہ وہ اتنا بڑا آدمی اگر ہم اس کے خلاف کریں تو کسی نہ کسی موقع پر ہمیں سخت سے سخت تکلیف پہنچائیگا۔ بلکہ اسٹیمروں کے ملازمین کا جو معاملہ اس وقت در پیش ہے اس میں وہ بالکل خلاف فیصلہ کر دے گا تو میرا سخت سے سخت نقصان ہوگا۔ غرض دو متضاد چیزیں عبدالباری کے سامنے نظر آ رہیں ہیں اور وہ پریشان ہو رہا ہے کہ میں کیا کروں؟ بلکہ جمال نے اثنائے گفتگو میں عبدالباری سے یہ بھی کہا کہ گورنر کا یہ حکم ہے جو میں تمہیں سناتا ہوں۔ ان باتوں کو سن کر عبدالباری نہایت پریشان حالت میں ان علماء کے پاس حاضر ہوئے اور شرمندگی کے ساتھ تمام واقعات اور معذرت پیش کی۔

عبدالباری نے جب گورنر کا حکم ہونا بیان کیا تو سنکر تعجب ہوا اور یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آیا کہ بلاوجہ گورنر نے ایسا حکم کیوں دے دیا؟ محض اس کے کہنے پر باور نہ کرنا چاہئے بلکہ گورنر سے مل کر دریافت کرنا چاہئے کہ ایسا حکم دیا کہ نہیں اور اگر حکم دیا ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ چنانچہ مولانا عبدالعلیم میرٹھی جو انگریزی دان شخص بھی ہیں بعض اور شخصوں کو لیکر گورنر سے ملنے گئے اور دریافت کیا کہ کیا آپ نے ہمارے جانے یا رہنے کے متعلق کوئی حکم دیا ہے؟ معلوم ہوا کہ نہیں پھر یہ بتایا کہ ہماری جماعت مذہبی جماعت ہے ہم عوام کے سامنے اسلام اور مذہب کی باتیں پیش کرتے ہیں، ان کو امن و صلح سے رہنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ گورنر نے اس پر یہ کہا کہ ہم ایسے علماء کا وجود اپنے ملک میں بہت پسند کرتے ہیں۔ ہماری عین خوشی ہے کہ آپ لوگ زیادہ سے زیادہ اس ملک میں قیام کریں اور اپنے مذہب کی تبلیغ

کریں، جب یہ معاملہ ہو گیا کہ گورنر نے ایسا حکم نہیں دیا ہے اور عبدالکریم جمال نے غلط طور پر عبدالباری کو ڈرانے کیلئے ایسا کہہ دیا تھا تو اب صرف یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ اگر عبدالباری اپنے یہاں ان علماء کو ٹھہراتا ہے تو جمال اسکے خلاف ہوتا ہے اور اس کی مخالفت کو عبدالباری برداشت نہیں کر سکتا۔ عبدالباری علماء کے سامنے لچکنے لگا اور جمال کا خوف ظاہر کرنے لگا، یہ ایک نہایت نازک معاملہ تھا کہ جس نے بلایا اور جس کے یہاں قیام تھا اور جس کے مہمان ہیں وہی رکھنے کیلئے تیار نہیں ہے تو رنگون میں رہنے کی صورت کیا صورت ہے؟ اور اسی طرح چلا آنا ہی نہایت بری بات ہے۔

عشق گر مصلحت اندیش ہے، ہے خام ابھی:-

قدرت کی طرف سے ایک شخص جس کا نام ابراہیم ویلی سورتی تھا وہ تیار ہو گئے اور انہوں نے سب کے سامنے کہا کہ ہم اس طرح جانے نہیں دیں گے، یہ حضرات یہاں رہیں اور ان کے وعظ و تقریر ہوتے رہیں اور جب خود ان کی طبیعت وطن جانیکی چاہے اور یہ حضرات اپنے خیال میں یہ سمجھ لیں کہ یہاں کی ضرورت پوری ہو گئی اس وقت ان کی خواہش پر ہم ان کو باعزت طور پر رخصت کریں گے اور اگر اس معاملے میں جمال آڑے آتا ہے تو مجھ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے، جمال میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کا جو جی چاہے کر دیکھے، ہم ان علماء کو اسی وقت اپنے مکان پر لے جاتے ہیں۔ ابراہیم ویلی حقیقۃً ایک بہت جوشیلا سنی تھا اور بات کا نہایت پختہ اور دھنی تھا اور سورتی قوم پر بھی اس کا کافی اثر تھا، اس کی کوٹھی شہر سے تین میل فاصلے پر تھی فوراً گاڑیاں منگوائی گئیں اور حضرات علمائے کرام کا جو کچھ سامان تھا اس کو ابراہیم ویلی کی کوٹھی پر روانہ کیا گیا اور خود یہ حضرات موٹر سے وہاں پہنچے ابراہیم ویلی کی کوٹھی اگرچہ شہر سے دور تھی پھر بھی صبح سے آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ سیٹھ ابراہیم دونوں وقت کم از کم پچاس ساٹھ آدمیوں کے کھانے کا انتظام رکھتے تھے اور تقریباً اتنے ہی آدمی دونوں وقت دسترخوان پر ہوتے تھے۔

رات میں شہر میں جہاں جلسہ ہوتا علماء وہاں تقریروں کے لئے تشریف لے

جاتے- آدمیوں کا اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ جلسے کے بعد کم از کم ایک گھنٹہ مصافحہ میں صرف
ہوتا تھا- دو بجے یا اس کے بعد قیام گاہ پر واپسی ہوتی تھی-

شخصی میلاد:-

ایک روز دن میں سیٹھ ابراہیم ویلی نے خود اپنی کوٹھی پر میلاد شریف کیا اور اس میں
اپنی تمام سورتی برادری کو مدعو کیا، شرکت میلاد کی دعوت بھی دی اور اس کے بعد طعام کی بھی-
تقریر کیلئے انہوں نے اس جلسہ میں مجھ سے خواہش کی اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ آج
آپ وہابیہ کا رد بلیغ کریں اور میں نے تمام سورتی وہابیوں کو اس لئے مدعو کیا ہے کہ وہ خود
اپنے کانوں سے اپنے اکابر وغیرہ کے اقوال وغیرہ سن لیں- تقریر کا سلسلہ شروع ہوا- چونکہ
یہ جلسہ میلاد پاک سے متعلق تھا اور اس میں بانی جلسہ کی یہ خواہش بھی تھی کہ وہابیہ کا رد بلیغ کر
دیا جائے لہذا اس کے جواز پر اولاً دلائل آیات، احادیث اور اقوال علماء سے پیش کیے گئے-
میلاد شریف کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ اس چیز کو بدعت یا شرک کہنا کسی
مسلم اور مومن کا کام نہیں ہو سکتا- پھر میلاد شریف میں اہتمام وتداعی اور جوش وخروش سے
مجلس کو آراستہ کرنا، پھولوں وغیرہ سے مجلس سجانا، روشنی کرنا اور مجلس پاک میں بیان ولادت
کے وقت کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے، اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرنے پر عقلی اور شرعی ایسے
دلائل قائم کیے گئے، جس کو ہر منصف مزاج سمجھدار نے تسلیم کیا اور کسی کو انکار کی گنجائش نہ
رہی-

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا خواب:-

اسی سلسلہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وہ خواب بھی ذکر کیا گیا جس کو امام
بخاری نے اپنی صحیح کے اندر درج فرمایا ہے اور یہ بتایا گیا کہ حضور کی ولادت پاک پر ابولہب کو
خوشی ہوئی اور اس نے مسرت میں ثویبہ کو آزاد کیا، اس کی وجہ سے ایسے شقی بدترین کافر کو بھی
حضور کی ولادت پر مسرت کرنے کا یہ فائدہ ملا کہ اس کو ایک تری ملتی ہے، جس کو چوس کر
قدرے سکون حاصل کرتا ہے- تو جب ایک کافر کو یہ فائدہ پہنچا تو کوئی مسلم اگر اس پر اظہار

مسرت کرے تو ضرور اس سے بہت زیادہ فائدے اس کو پہنچیں گے- حضرت عباس کے اس
خواب سے بعض لوگ مولود کے جواز پر استدلال کرتے ہیں تو وہابیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں
کہ یہ خواب کی بات قابل اعتبار نہیں- افسوس کہ خواب بھی کس کا نبی کریم ﷺ کے چچا
حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا اور اس خواب کا ثبوت بھی کتنا بروجہ صحیح جس کو امام بخاری نے
اپنی صحیح میں درج فرمایا اور اس سے استدلال کیا تو یہ خواب قابل اعتبار نہ رہے گا، کیونکہ اس
سے نبی کریم ﷺ کی عزت وحرمت اور آپ کی عظمت شان جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک
ہے ظاہر ہوتی ہے- مگر جو خواب ایسے ہیں کہ ان سے وہابیہ کے علماء کی عزت ظاہر ہوتی ہے
اگرچہ اس سے حضور کی شان رسالت ﷺ کی تنقیص ہوتی ہے وہ خواب نہ صرف قابل
اعتبار بلکہ ان سے استدلال کیا جاتا ہے اور بہت چمک چمک کر ان کو اپنی کتابوں میں درج
کیا جاتا ہے-

حضرات دیوبند کی بدخوابی:-

اس سلسلہ میں وہ خواب بھی ذکر کیا گیا جس میں نبی کریم ﷺ نے وہابیہ کے
وہاں روٹی پکائی تھی، وہ خواب بھی ذکر کیا گیا جس میں براہین قاطعہ میں علماء دیوبند سے
نبی کریم ﷺ کے اردو زبان سیکھنے کا تذکرہ ہے اور وہ بھی ایسے لوگوں سے جنکو یہ خبر نہیں کہ
کلام کا لفظ مذکر ہے یا مونث اور اس سلسلہ میں ایک مرید کا وہ خواب جس میں بجائے درود
شریف پڑھنے کے اللھم صل علی سیدنا و مولانا اشرف علی دن بھر پڑھا- اسی ضمن
میں وہ خواب بھی پڑھا گیا جس میں کسی نے تھانوی صاحب کے گھر میں معاذ اللہ حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تشریف لانا بیان کیا ہے اور تھانوی صاحب نے اس کی جو کچھ
گندی تعبیر کی ہے اور اسی قسم کے چند اور خوابوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ دکھایا گیا کہ خلاصہ ان
لوگوں کے اقوال وعقائد کا یہ ہے کہ جس چیز میں نبی کریم ﷺ کی تعظیم دیکھتے ہیں اس کے رد و
انکار میں طرح طرح کے لایعنی اور بعید از کار باتیں ذکر کیا کرتے ہیں اور اگر اسی قسم کی کوئی
ایسی بات جس سے ان کے علماء کی تعریف نکلتی ہے تو اپنی طرف سے جھوٹے اور شیطانی

خوابوں کو پیش کرتے ہیں اور اپنے علماء کی بزرگی و بڑائی بیان کرتے ہیں-فلاحول ولا قوۃ الاباللہ العلی العظیم -

یہ بیان کچھ ایسا مسلسل اور مربوط تھا کہ عموماً سامعین جو اگر چہ وہابی خیال کے تھے مگر ان سب کے دلنشیں ہوتا گیا اور اس وقت ان کو مذہب اہل سنت کی حقانیت تسلیم ہی کرنی پڑی، چاہے بعد میں اس پر قائم رہے ہوں یا نہیں -جملہ حاضرین سنی و وہابی سب نے ذوق وشوق سے بیان ولادت پر قیام کیا اور صلوۃ وسلام پر یہ مبارک مجلس ختم ہوئی -دو ہفتہ سے زائد قیام کے بعد جب وہاں کی فضا بحمدہ تعالیٰ بالکل درست ہوگئی اور گلی گلی میں اہل سنت کی حقانیت پر اظہار خیال ہونے لگا اور یہاں کی ضرورتوں نے واپسی پر مجبور کیا-مقتدر حضرات سے وہاں سے روانگی کے متعلق کہا گیا اور یہ طے پایا کہ فلاں روز روانگی ہوگی بلکہ سیکنڈ کلاس کے ٹکٹ بھی ان علماء کیلئے خرید لئے گئے-

باسی کڑاہی میں ابال:-

جب وہابیوں کو اطلاع ملی کہ یہ لوگ روانہ ہونے والے ہیں ٹکٹ خرید لئے گئے ہیں اب کسی طرح نہ رکیں گے تو اس وقت جب کہ یہ سب حضرات سیٹھ عثمان عبدالغنی ہی کے دفتر میں موجود تھے-مولوی ابراہیم سورتی کی طرف سے ایک آدمی آتا ہے اور مناظرہ کا پیغام دیتا ہے کیونکہ انہوں نے یہ جانا تھا کہ اب تو یہ لوگ جا ہی رہے ہیں کہنے کو ہو جائے گا کہ میں نے مناظرہ کا چیلنج دیا تھا مگر منظور نہیں کیا، لیکن اہل حق بفضلہ تعالیٰ شیاطین کے مکائد سے محفوظ رہتے ہیں-اسی شخص سے فوراً یہ اطلاع بھیجی جاتی ہے کہ ہم مناظرہ کیلئے موجود ہیں اگر چہ آپ اس قابل نہیں کہ آپ کو منہ لگایا جائے مگر ہم اس کی پرواہ نہیں کریں گے، اگر آپ خود مناظرہ کرنا چاہتے ہیں تو بسم اللہ جگہ اور وقت وغیرہ آج طے کر لیا جائے اور ہم اپنی روانگی کو ملتوی کرتے ہیں اور آپ کے جواب آنے پر ہم اپنے ٹکٹوں کو بیکار کئے دیتے ہیں لیکن اگر آپ نے محض ہمارے ٹکٹ کے روپے برباد کرنے کا ارادہ کیا ہے اور مناظرہ کا نام صرف دھوکہ دینے کیلئے لیا ہے اور ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ آپ تو کیا آپ کے اکابر میں بھی

ہمت وجرأت نہیں ہے-ہم نے ٹکٹ خراب کر دیا اور آپ نے مناظرہ نہ کیا تو ہمارے ٹکٹ کی قیمت آپ کو دینی ہوگی اور یہ نقصان آپ کے ذمہ رہے گا-آپ کا جواب آنے کے بعد ہم ٹکٹ ضائع و بیکار کر دیں گے اور تین گھنٹہ تک ہم اس کا انتظار کریں گے اگر یہ وقت گزر گیا اور آپ کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو سمجھ لیا جائے گا کہ یہ آپ کی طرف سے ایک فریب تھا جو ہمیشہ آپ کے ہم مذہبوں کا شیوہ رہا ہے-

بلبلہ بیٹھ گیا:-

بھلا ان کی ہمت کیا ہوتی کہ شیرانِ حق کے مقابلے میں آتے؟ دوسرے دن تک بھی اس کا جواب نہ آسکا تین گھنٹہ کیا معنی؟

رنگون سے واپسی:-

جہاز کی طرف سے یہ اطلاع ملی کہ جہاز تین بجے کے بعد رات میں روانہ ہوگا مگر مسافر دن ہی دن میں نماز مغرب سے قبل سوار کر دئے جائیں گے اس کے بعد حسب دستور پھاٹک وغیرہ بند کر دئے جائیں گے اور کسی کو آنے جانے کی اجازت نہ رہے گی-چنانچہ ان علماء کے سامان وغیرہ بھی بعد نماز عصر جہاز پر روانہ کر دئے گئے اور ان کے کمروں میں لگا دئے گئے اور خود ان کیلئے اجازت لے لی گئی کہ بارہ بجے رات کے بعد جلسے سے فارغ ہو کر یہ حضرات جہاز پر تشریف لائیں گے-اس شب میں بھی ایک بڑا عظیم الشان جلسہ تھا جس میں کئی ہزار آدمیوں کا مجمع تھا-حسب دستور مسائل، عقائد پر تقریریں ہونے کے بعد رنگون کا اتنے دنوں تک قیام اور ان میں جو کچھ بھی چھوٹے بڑے واقعات پیش آئے ان کو بیان کرنے کے بعد حسب دستور جلسہ صلوٰۃ وسلام پر ختم ہوا اور حاضرین نے بڑے ذوق وشوق اور محبت کے ساتھ علماء سے مصافحہ کئے تقریباً دو ہزار آدمی جہاز تک رخصت کرنے کیلئے گئے-

جس وقت گودی کا پھاٹک کھولا گیا ہے اور اتنے بڑے عظیم الشان مجمع کا داخلہ ہوا ہے تو اہل شہر نے اپنے معزز مہمانوں کو رخصت کیا اور جہاز پر سوار کیا ہے جدائی سے لوگوں کے دل بے تاب اور آنکھیں اشکبار تھیں-مجمع کی ایک دلچسپ کیفیت تھی جو دیکھنے کے ساتھ تعلق

رکھتی تھی مجمع وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا، کسی طرح کہہ سن کر روانہ کیا گیا اور یہ حضرات اپنے
کمروں میں تشریف لے گئے- جہاز اپنے وقت پر روانہ ہوا اور سمندر کی لہریں کاٹتا ہوا کلکتہ
پہنچا- یہاں یہ بات بھی ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عبدالکریم جمال جس نے اپنی
دولت کے گھمنڈ میں علماء اہل سنت کے ساتھ زیادتی کی تھی جس کا ذکر اوپر ہوا- قدرت کی
طرف سے نہایت جلد اس سے زبردست انتقام لیا گیا- چند ہی ماہ میں ایسا برباد ہوا کہ نہ
دولت باقی رہی نہ شوکت نہ اس کا نام باقی رہا نہ حکومت-

مولوی عبدالرحمٰن صاحب:-

پکھریرا ضلع مظفر پور میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا-
مذہب کا بہت زیادہ جوش ان کے دل میں تھا کبھی کبھی جلسہ بھی کیا کرتے تھے- جلسہ بہت
دھوم دھام سے ہوتا تھا- سنا ہے کہ پندرہ بیس کوس سے دیہات کے باشندے مسلمان
بکثرت آتے تھے- ان سب کی مہمانی جن کی تعداد کئی سو سے زیادہ ہوتی تھی مولوی صاحب
کے ذمہ ہوا کرتی تھی- جلسہ کیلئے پہلے ہی دیہات وغیرہ سے انتظام ہو جایا کرتا تھا تاکہ کم از کم
چار پانچ روز برابر ہر وقت ان دیہاتی مہمانوں کی خورد و نوش کا انتظام کیا جا سکے- وہاں کا
جلسہ اپنی نوعیت میں جداگانہ تھا صبح سے شروع ہوتا تھا اور رات کو بارہ ایک بجے ختم ہوتا تھا-
کھانے اور اوقات نماز میں تھوڑی دیر کیلئے جلسہ ملتوی کر دیا جاتا تھا، کیونکہ عموماً
سامعین وہ تھے جنکو اور کہیں آنا تھا نہ جانا، نہ شرکت جلسہ کے سوا ان کے لئے کوئی دوسرا کام،
آس پاس کے دیہات والے کھانا وغیرہ کھانے اپنے گھر چلے جاتے تھے مگر دور دراز والے
وہیں مقیم رہتے تھے، ان کی خواہش یہی تھی کہ تقریر ہوتی رہے اور ہم سنا کریں جلسہ کیلئے نہ
فرش فروش کی حاجت تھی نہ شامیانہ تاننے کی ضرورت، کسی باغ میں تخت بچھا دیا جاتا پیڑوں
کے سائے کے نیچے خدا کے بچھائے ہوئے فرش پر سامعین بیٹھے ہوئے علماء کی تقریریں سنا
کرتے، وہاں کے جلسوں کی سادگی اور ان سارے مسلمانوں کا ذوق و شوق ایک عجیب و
غریب کیف پیدا کرتا تھا-

پکھریرا میں جلسہ عید میلاد:-

ایک مرتبہ مجھے بھی مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے شرکت جلسہ کی دعوت دی- بریلی
سے مظفر پور، دربھنگہ اور سستی پور ہوتا ہوا جنک پور اسٹیشن پر جا کر اترا- اب یہاں سے غالباً چھ
سات کوس کا وہ راستہ ہے جو پالکی یا بیل گاڑی سے طے کیا جاتا ہے- میری سواری کیلئے بیل
گاڑی آئی تھی جس سے وہاں پہنچا- جانے پر یہ پتہ چلا کہ حضرت مولانا وصی احمد صاحب
محدث سورتی بھی تشریف فرما ہیں اور مولانا حمد اللہ صاحب بھی ضلع پشاور کے رہنے والے جو
ایک زمانہ دراز تک بغداد شریف میں قیام پذیر رہ چکے تھے وہ بھی یہاں موجود ہیں میرے
پہنچنے پر ایک دن پہلے سے جلسہ شروع ہو چکا تھا- پہنچنے کے بعد جلسے کی کیفیت دریافت کی،
معلوم ہوا کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے اعلان کر دیا تھا بلکہ لکھ کر نوٹس لگا دیا تھا کہ کوئی
صاحب بغیر اجازت جلسے میں بولنے کا حق نہیں رکھتے اور مخالفین کو کسی قسم کے سوال وغیرہ کی
اجازت نہیں-

مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی کی دبنگ:-

مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی جو اکثر ان اطراف میں دورہ کیا کرتے تھے، ایسے ہی
موقع کی تلاش میں رہتے کہ فساد پیدا کریں اور مسلمانوں میں خانہ جنگی کرائیں، موقع کو
غنیمت دیکھا اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے پاس اس مضمون کا خط بھیجا کہ مجھے جلسے میں
آنے اور بولنے کی اجازت دی جائے، مولوی صاحب سمجھے کہ ایسا کرنے میں جلسہ درہم برہم
ہو جائے گا اور اگر کہیں فساد ہو گیا تو ساری ذمہ داری ہمارے اوپر ہوگی، یہ سمجھ کر اس خط کا
جواب نہ دیا پھر کیا تھا لومڑی کو موقع ہاتھ آیا شیر بن کر غرانے لگی اور ایک دن میں یکے بعد
دیگرے دس سے زیادہ خطوط اسی مضمون کے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے پاس انہوں نے
بھیجے ہر خط میں بڑی بڑی تعلیاں، عدم فساد کے بڑے بڑے حوصلے اور منصوبے اور اہل حق
پر نہایت صریح بزدلانہ حملے ہوتے تھے-

کبھی کبھی امن پسندی بھی مضر ہوتی ہے:-

مولوی صاحب یہ سمجھے تھے کہ ہم جلسے کی تاریخیں اسی طرح خاموشی کے ساتھ گزار دیں گے، جب جلسہ ہو چکے گا اس وقت ہم اُن کی طرف متوجہ ہوں گے اور یہ نہ سمجھے کہ عوام پر اس کا اثر کیا ہوگا؟ پکھریرا کے قریب ایک موضع بالا ساتھ تھا، مولوی مرتضی حسن صاحب وہیں ٹھہرے ہوئے تھے، وہاں والوں اور پکھریرے کے لوگوں میں کچھ مخالفت ہے جس کی وجہ سے بالا ساتھ کے لوگ پکھریرے کے لوگوں کی مخالفت کرنے پر آمادہ ہیں، یہ موقع مولوی مرتضی حسن کو نہایت اچھا ہاتھ آیا، وہاں سے خطوط پر خطوط بھیج رہے ہیں اور زبانی لوگوں میں تحریک کر رہے ہیں اور لوگ جب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ مولوی عبدالرحمن صاحب ان لوگوں کی تحریر کا کچھ جواب نہیں دے رہے ہیں تو ان لوگوں کو خیال ہوا کہ مولوی مرتضی صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی حق ہوگا، ورنہ مولوی عبدالرحمن صاحب کو خاموش رہنے کی کوئی وجہ نہ تھی- بلکہ جب ان کے وہاں جلسے میں بڑے بڑے علماء آئے ہوئے ہیں تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ شاید علمی کمزوری کی وجہ سے مقابلہ نہ کر سکتے ہوں-

بہر حال آس پاس کے دیہات تو بلکہ دور دور گاؤں والوں کے خیالات مذبذب ہونے لگے- جن کی طرف مولوی عبدالرحمن صاحب نے اپنی مصلحت اندیشی سے بالکل توجہ نہیں کی، جب یہ کیفیت مجھے معلوم ہوئی کہ یہاں یہ ہو رہا ہے مولوی عبدالرحمن صاحب سے یہ کہا کہ بلا تامل آپ ان کو جلسے میں آنے اور مناظرے کی اجازت دے دیجئے- مولوی صاحب کچھ گھبرا سے گئے کہ کوئی فساد ہو گیا تو ساری ذمہ داری مجھ پر عائد ہوگی، ان کو بتایا اور سمجھایا کہ آپ گھبرائیں نہیں ہم اس کام کو سنبھال لیں گے، اتنے میں پھر مولوی مرتضی صاحب کا ایک خط آیا جس میں تعلّیوں کی بھر مار تھی اور حسب دستور بے جا اور رکیک حملے، تمام چیزوں کو چھوڑتے ہوئے اصل سوال کا جواب دیا کہ ہم مناظرے کے لئے تیار ہیں آپ کو اجازت ہے آیئے اور جس مسئلے پر چاہے گفتگو کیجئے- اس خط کا پہنچنا تھا کہ مولوی مرتضی صاحب کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی حواس باختہ ہو گئے حیلے حوالے کرنے لگے-

نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن:-

ان کا مقصد نہ تو مناظرہ کرنا تھا اور نہ بے چارے میں مناظرہ کرنے کی استعداد اور صلاحیت تھی، ساری عمر وعظ کہنے اور اس میں ٹھٹھہ بازی اور مذاق کرنے کے علاوہ انہوں نے کیا ہی کیا تھا؟ جو علماء کے مقابل آتے، اب اگر جلسے میں نہیں جاتے تو بھد (بے عزتی) ہوتی ہے کہ کس منہ سے آپ جلسے میں جانے کی اجازت مانگتے تھے؟ اب جبکہ اجازت دیدی گئی تو جاتے کیوں نہیں؟ اور اگر جاتے ہیں تو گفتگو کرنے کی اپنے میں جرأت نہیں پاتے، اس خط کے جواب میں تحریر کرتے ہیں کہ وہاں آنے پر ہم کو اندیشہ ہے کہ کوئی ہمارے ساتھ زیادتی نہ کرے، یہ جواب دیا کہ آپ آیئے اور ہر قسم کا اطمینان رکھئے ہم اس کے ذمہ دار ہیں کہ آپ کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ ہوگی- اب اس کا یہ جواب ملا کہ ہمیں اب بھی اندیشہ ہے اور اطمینان نہیں ہے، پکھریرے کے لوگ معزز زمیندار اس کی ذمہ داری کریں اور اپنی ذمہ داری کی تحریر بھی دیدیں تو ہم آ سکتے ہیں، دروغ گو را تا بخانہ بباید ورسانید وہاں کے چند زمینداروں کے دستخط کرا کر ایک تحریر بھیجی جاتی ہے کہ آپ یہاں آیئے کسی کو نہ جھگڑا کرنا ہے نہ اس کی ضرورت- شریعت کے مسائل پر گفتگو کرنی ہے، فریقین کے علماء آپس میں بات چیت کر لیں گے، عوام صرف سنیں گے ان کو بولنے کا کوئی حق نہ ہوگا اور کسی قسم کا جھگڑا و فساد نہ ہوگا، ہم لوگ اس کے ذمہ دار ہیں اس تحریر کے پہنچنے کے بعد بھی مولوی صاحب کو جلسہ گاہ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی، یہ جواب دیا کہ مجھے اب بھی اندیشہ ہے میں وہاں آنے کے لئے تیار نہیں ہوں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے علماء کو یہاں بھیج دیجئے میں ان سے گفتگو کروں گا، اس کا جواب مولوی عبدالرحمن صاحب نے یہ دیا کہ ہمارے علماء وہاں تشریف لے جانے کیلئے تیار ہیں مگر جبکہ آپ نے یہاں آنے کیلئے زمینداروں کی ذمہ داری طلب کی تو اب ہم بھی اس قاعدے کے مطابق آپ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ نقص امن و حفاظت کی ذمہ داری کی جائے اور اس کاغذ پر زمینداروں کے دستخط کروا کر ہمارے پاس روانہ کیا جائے اور ہم کو وقت بتایا جائے، تا کہ ہمارے علماء اسی وقت آپ کی قیام گاہ پر پہنچیں- اس تحریر کا ایک

بے ہودہ جواب انہوں نے لکھ بھیجا کہ آپ اپنے علماء کو یہاں بھیج دیجئے نہ نقص امن کی ذمہ داری نہ کسی زمیندار کے دستخط - سمجھ لیا گیا کہ مولوی صاحب کا مقصد گریز ہے اور ان حیلوں سے وہ اپنی فرار اور ذلت پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں، ان کو آخری تحریر بھیج دی گئی جب آپ کی طرف سے نہ کوئی ذمہ داری ہے نہ کسی کے دستخط ہیں تو اب ہماری طرف سے یہ آخری خط ہے کہ آپ نہ ہمارے یہاں آئیں اور نہ ہم آپ کے یہاں آئیں بلکہ دونوں موضعوں کی سرحد پر فریقین کا اجتماع ہو جائے اور وہیں مناظرہ ہو کر حق و باطل کا فیصلہ کر لیا جائے، آخر میں ہم یہ لکھتے ہیں کہ ہمارے علماء ابھی اسی وقت دونوں موضعوں کی سرحد پر جانے کیلئے تیار ہیں بلکہ جا رہے ہیں اس رقعہ کے پہنچنے کے بعد آپ بھی فوراً آ جائیں، چنانچہ علماء اہل سنت کثیر جماعت کے ساتھ قریب عصر یہاں سے روانہ ہو کر سیوانے پر جا کر قیام پذیر ہوئے اور مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد تقریر شروع ہوئی - سلطان الواعظین مولوی عبدالواحد صاحب نے اپنے خاص انداز میں ایک بہت نفیس تقریر فرمائی - سیوانے پر پہنچنے کے بعد بھی موضع بالا ساتھ میں مولوی دربھنگوی صاحب کے پاس ایک آدمی بھیج دیا گیا کہ وہ سب لوگ فلاں جگہ مجتمع ہیں، آپ چلئے سنتے ہی چہرے پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں نہ راہ رفتن نہ جائے ماندن، بالا ساتھ کے کچھ مسلمان بھی ان سے کہنے لگے کہ مولوی صاحب اب کیوں نہیں چلتے؟ مگر ان میں کہاں ہمت کہ شیران حق کے مقابلے میں آسکیں - بالا ساتھ والوں نے جب انہیں مجبور کیا کہ آپ کو چلنا ہی پڑے گا ورنہ اس میں ہماری بڑی ہی بے عزتی ہوگی ناچار مولوی صاحب نے ان سے کہا کہ اگر تمہاری بے عزتی ہے تو مجھے یہاں سے کسی طرح چلے جانے دو تا کہ میں دوسرے موضع میں قیام کروں - جس جگہ علماء اہل سنت مجتمع تھے بالا ساتھ سے جانے کیلئے راستہ بھی وہی تھا مگر دربھنگی صاحب نے اس راستہ کو بھی چھوڑا اور لاٹھیوں کے سایہ میں دوسرے راستہ سے فرار کیا، یہ ہیں دربھنگی صاحب کے حالات جو اپنے کو بزعم باطل ابن شیر خدا کہتے ہیں اور ہمہ وقت مناظرے کیلئے آمادگی ظاہر کرتے ہیں، مگر الحمد للہ کہ کبھی مقابلے میں نہیں آئے اور ہمیشہ راہ فرار اختیار کی -

دربھنگی صاحب کا ایک اور واقعہ :-

اس ضمن میں مولوی دربھنگی صاحب کا ایک واقعہ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کمیٹی کے عروج کا زمانہ ہے، کوئی شخص خلافت کمیٹی کے خلاف ایک حرف کہنے کی جرأت نہیں رکھتا، اس دور میں جبکہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے ان خلافتیوں کی گمراہیوں کا پردہ چاک کیا اور دنیا کے سامنے ان کی ضلالتیں پیش فرما دیں، تو ایک مرتبہ بمقام کتب خانہ بریلی خلافت کمیٹی کا ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا، جس میں یہ بھی اعلان تھا کہ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دربھنگی آئیں گے اور تقریر کریں گے اور یہ معلوم تھا کہ وہ ایک دریدہ دہن منہ پھٹ آدمی ہے، ضرور بالضرور اعلیٰ حضرت قبلہ کی شان میں کچھ نہ کچھ گستاخی کرے گا -

جرأت حق:

یہ اطلاع پا کر بالکل تن تنہا ان مخالفین کے بھرے ہوئے جلسے میں پہنچ گیا، مگر راستے میں جن لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں اور انہوں نے دریافت کیا کہ کہاں جاتے ہیں؟ ان سے بتا دیا کہ مخالفین کے جلسے میں جا رہا ہوں، یہ خبر بجلی کی طرح پہنچ گئی اور خود میرے جلسے میں پہنچنے کے چند منٹ بعد دیکھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کے معتقدین کی ایک بڑی تعداد کئی سو آدمیوں کی میری حمایت کیلئے موجود ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی مخالف نے کوئی بے جا بات کی تو اسے دندان شکن جواب دیا جائے گا - جلسہ میں پہنچنے کے بعد عوام کے بیٹھنے کی جگہ پر میں بیٹھ گیا مولوی عبدالودود ناظم جلسہ انہوں نے خود دیکھا یا ان سے کسی نے کہا - فوراً تخت (اسٹیج) سے اتر کر آئے اور مجبور کر کے تخت پر لے گئے، پھر انہوں نے یہ بھی اصرار کیا کہ آپ بھی کچھ تقریر کریں جواب دیا میں تقریر کرنے نہیں آیا بلکہ سننے آیا ہوں - سننے کے بعد اگر ضرورت پڑے گی اس وقت دیکھا جائے گا - جلسے میں میرے پہنچ جانے کی اطلاع دربھنگی صاحب کو پہنچ گئی، پھر ان میں کہاں اتنی جرأت کہ وہ جلسہ میں شریک ہوتے؟ بانیان جلسہ سے کوئی عذر کر دیا اور کہہ دیا کہ میں اس وقت جلسہ میں شریک نہیں ہو سکتا -

اعلیٰ حضرت کا اضطراب:-

میرے جلسے میں جانے کی اطلاع کسی نے اعلیٰ حضرت کو دیدی - اطلاع پاکر نہایت درجہ پریشان تھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مخالفین کا جلسہ ہے کوئی حملہ کردے یا اور کسی قسم کی اذیت پہنچائے، خبر پاکر اعلیٰ حضرت مکان کے اندر تشریف نہیں لے گئے بلکہ اس وقت سے جب تک میں جلسہ سے واپس نہ آگیا برابر مسجد میں ٹھہرے رہے اور میری فتح ونصرت اور حفظ و امن کیلئے دعا کرتے رہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کی دعاؤں ہی کا صدقہ ہے کہ یہ فقیر جہاں جاتا ہے کامیاب ہوتا ہے اور کبھی آج تک ذلیل وشرمندہ نہیں ہونا پڑا-

بھاگلپور کا مناظرہ:-

اسی طرح متعدد بار مناظرے کیلئے جانا ہوا اور اہل باطل نے مناظرے کی دعوتیں دیں، مگر کبھی کسی کو بفضلہ تعالیٰ مقابل آنے کی جرأت نہ ہوئی - ایک مرتبہ بھاگلپور میں جبکہ حضرت مولانا احمد اشرف صاحب اپنے نورانی بیانات سے اہل سنت کے دلوں کو منور فرما رہے تھے اور اہل باطل کے قلعے گرا رہے تھے-

مولوی محمد علی ناظم ندوہ:-

مولوی محمد علی صاحب مونگیری جو پہلے بہت بڑے ندوی بلکہ ناظم ندوہ تھے، پھر وہ وہابیوں کے مؤید بن گئے، مولانا کے بیانات میں جو وہابیہ کا رد ہوتا اس سے ان کی بھی وہابیت ابھر گئی اور وہ مولانا کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو گئے، اگرچہ مولانا ان سے مناظرے کیلئے بہت کافی تھے، مگر مصلحت وقت، اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ایک تار دیا کہ مولانا امجد علی و مولانا نعیم الدین صاحبان کو فوراً روانہ کیجئے، یہ دونوں حضرات وہاں پہنچے، جلسے ہونے لگے وہابیت کی اچھی طرح بیخ کنی ہونے لگی-

مولوی محمد علی مونگیری و مولوی غنیمت حسین نے مناظرہ کرنے کا تار لیا، بلکہ دن اور وقت اور جگہ سب چیزیں مقرر ہو چکیں - مسجد خلیفہ باغ جو بھاگلپور میں ایک مشہور مسجد ہے مقام مناظرہ طے ہوا - وقت مقرر پر علماء اہل سنت وہاں تشریف لے گئے اور جب دیکھا کہ

ابھی فریق مقابل نہیں آیا ہے تو میں نے تقریر شروع کر دی، یہاں بفضلہ تعالیٰ میدان مناظرہ میں شیران حق روباہ باطل کو بھگانے اور مٹانے کیلئے پہنچ چکے ہیں - مولوی محمد علی صاحب وغیرہ کو یہ خوف طاری ہوتا ہے کہ ہم مناظرے میں یقیناً ہار جائیں گے اور مناظرے سے ہماری بہت ہی بے عزتی ہوگی، جان بچانے کی صورتیں تجویز کرنے لگے آخر میں کوتوال شہر کو انہوں نے بلایا - سننے میں آیا کہ کوتوال صاحب سے انہوں نے نہایت لجاجت و سماجت کے لہجے میں یہ کہا کہ عظیم القدر میری عزت کا بچانا آج آپ کے ہاتھ میں ہے، کوئی ایسی ترکیب نکالو کہ میری جان مناظرے سے بچ جائے - کوتوال صاحب کے بائیں ہاتھ کا یہ ادنیٰ کرشمہ تھا، فوراً مقام مناظرہ میں جہاں اس وقت جلسہ ہو رہا تھا پہنچتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہاں آپ لوگ مناظرہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے کوئی باضابطہ اجازت حاصل نہیں کی ہے، چونکہ فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے لہذا ہم مناظرہ کی اجازت نہیں دیتے - کوتوال صاحب کو فوراً یہ جواب دیا گیا کہ آپ مناظرہ کی اجازت دیں یا نہ دیں، جب فریق مقابل یہاں موجود ہی نہیں ہے تو در و دیوار سے مناظرہ نہیں کیا جائیگا - پورے جلسے پر یہ ظاہر ہو گیا کہ مولوی محمد علی صاحب کی یہ چال تھی اور مناظرے سے بچنے کی یہ ترکیب تھی - بھاگلپور کے وہابیوں کا مناظرہ سے فرار اور وہاں اہل حق کی تقریریں کچھ ایسی مفید ثابت ہوئیں کہ ہر شخص نے مسائل اختلافیہ کو اچھی طرح سمجھ لیا - خصوصاً مسئلہ تکفیر، یہ مسئلہ لوگوں کو ایسا ذہن نشین ہوا کہ معمولی آدمی وہابیہ کے پڑھے لکھے لوگوں کو بند کر دیتے تھے اور ان کے سامنے یہ ثابت کر دیتے تھے کہ یقیناً یہ عبارت توہین کی ہے اور اس کا لکھنے والا قطعاً کافر ہے-

کلکتہ کا مقابلہ:-

ایک مرتبہ کلکتہ سے پیر ابوبکر صاحب پھرپھرا والے نے تار دیکر بلایا کہ یہاں آریوں نے سر اٹھایا ہے اور سراج گنج میں شردھانند آیا ہوا ہے، اس سے مناظرہ کیلئے یہاں آ جاؤ، ان کے تار پر فوراً کلکتہ پہنچے اور مولوی عبدالعزیز خان صاحب کے یہاں قیام کیا - پھر وہاں سے سراج گنج روانہ ہو گئے مگر شردھانند جی کو جب اطلاع ملی کہ یہاں مقابلے کی

ٹھہرے گی اور مسلمانوں سے مناظرہ کرنا پڑے گا، فوراً وہاں سے روانہ ہو گئے جب سراج گنج پہنچے معلوم ہوا کہ شردھانند جی کل یہاں سے روانہ ہو گئے اور یہ کہکر گئے کہ ہم مناظر نہیں ہیں۔ وہاں کے مسلمانوں نے بڑی دھوم دھام کیساتھ استقبال کیا جھنڈیوں اور نعروں کے ساتھ مہمان کو قیام گاہ پر لے گئے۔ دوسری ٹرین سے مولانا نعیم الدین مرادآبادی صاحب بھی یہاں پہنچے۔ شام کو ایک عظیم الشان جلسے کا انعقاد ہوا اور علماء کرام نے اسلام کی حقانیت پر بڑی پرزور تقریریں فرمائیں اور نہایت کامیابی کے ساتھ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

بنگال میں تقریر کی آسانی:۔

اس ملک (علاقہ) میں مقرر کیلئے بڑی آسانی ہے رات بھر بھی تقریر کرے تو تھکان نہ ہوگی، قاعدہ یہ ہے کہ دس پندرہ منٹ تک مقرر نے ایک مضمون بیان کیا، پھر اسی مضمون کا کسی مولوی نے بنگالی زبان میں ترجمہ کر کے حاضرین کو سمجھایا، پھر مقرر نے تقریر کی اور انہوں نے ترجمہ کیا، اس میں علاوہ تھکان نہ ہونے کے مقرر کو مضمون سوچنے کا بھی اچھا موقع ہاتھ آتا ہے۔

چھوٹے موٹے مناظرے زمانۂ طالب علمی میں بھی بارہا کرنے پڑے اور بحمدہ تعالیٰ جس مسئلے میں کسی سے کلام کیا اس میں خاموش نہ ہوئے، بلکہ مخالف ہی کو چپ کرا دیا۔

زمانہ طالب علمی کا ایک مناظرہ:۔

جونپور کی طالب علمی کا ابتدائی دور تھا۔ جبکہ دینیات سے واقفیت بھی نہ تھی معقولات کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کا زمانہ تھا، گھوسی کے ایک بہت بڑے مولوی صاحب تھے شب براءت کے حلوے پر گفتگو ہوگئی وہ مولوی صاحب بیان کر رہے تھے کہ اس روز حلوہ پکانا ناجائز ہے، ان سے دریافت کیا کہ ناجائز کہنے کی وجہ آپ کے پاس کیا ہے؟ دلیل کیا ہے؟ تو ادھر ادھر کی الم غلم باتیں کرنے لگے اور اس کو بدعت قرار دیکے حرام ٹھہرانے کی فکر میں پڑے مگر جب بدعت کی تعریف و مصداق میں گفتگو ہوئی تو یہ بدعت کی مکمل تعریف کر سکے نہ شب براءت کے حلوے کا بدعت ہونا بتا سکے، جو لوگ یہاں موجود تھے انہیں مولوی صاحب کی

بے تابی اور سراسیمگی دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ یہ بڑے مولوی ایک لڑکے کی بات کا جواب نہ دے سکے اور اس سے ہار گئے۔

گھوسی کا دوسرا واقعہ:۔

اسی طرح وسط طالب علمی کے زمانے میں گھوسی کے اندر مسئلہ قیام میلاد شریف ایک نزاعی مسئلہ بن گیا تھا، اس مسئلہ میں بعض لوگ حد سے بڑھے ہوئے تھے اور میلاد شریف پڑھواتے اور پڑھتے تھے مگر قیام نہیں کرتے تھے ایک مرتبہ میلاد شریف کے موقع پر خصوصیت کے ساتھ اس مسئلہ پر تقریر کی یہ وہ زمانہ تھا کہ نہ دینیات سے اچھی طرح واقفیت تھی اور نہ تقریر کرنے کا طریقہ تھا، صرف اتنا معلوم تھا کہ محققین اہل سنت کا مسلک یہ ہے اتنا معلوم ہونے کے بعد کچھ عقلی دلائل کچھ ادھر ادھر کے رسائل سے دیکھی ہوئی باتیں بیان کر کے مسئلے کو اچھی طرح واضح اور ثابت کر دیا، جو لوگ اس مسئلے میں مخالف تھے انہوں نے دوسرے روز مکان کے قریب ہی میلاد شریف کیا اور اس میں ایک مولوی صاحب کو جو قیام کے مخالف تھے تقریر کیلئے بلایا انہوں نے کچھ ادھر ادھر کی الم غلم باتیں بیان کرنے کے بعد قیام کے متعلق یہ کہنا شروع کیا کہ بدعت ہے اور ناجائز ہے۔ میں اپنی بیٹھک میں بیٹھا ہوا تھا ان دنوں سردی کے ساتھ مجھے بخار آتا تھا اور عین اسوقت جب مولوی صاحب نے تقریر کی مجھے سخت لرزہ آ گیا تھا لحاف اوڑھے ہوئے پڑا ہوا تھا کہ قیام کے بدعت ہونے کی آواز میرے کان میں آئی، پھر کیا تھا ضبط نہ ہوا اسی حالت میں لحاف پھینک کر جلسے میں پہنچ گیا اور مولوی صاحب سے قیام کے بدعت ہونے پر گفتگو شروع کر دی، چونکہ میری نوعمری کا زمانہ تھا اور میں ایک طالب علم تھا اور وہ مولوی صاحب۔ انہوں نے چاہا کہ مولویت کے رعب سے ہی خاموش کر دوں۔ وہ چلا چلا کر بلند آواز سے بولنے لگے میں نے ان سے کہا کہ چلانے سے کوئی فائدہ نہیں، آپ اگر نہ چلائیں گے بھی تو لوگ آپ کی بات سنیں گے، مسئلہ پر گفتگو کیجئے اور ان بے ہودہ باتوں سے باز آیئے، مگر ان مولوی صاحب کے پاس بلکہ اس ساری جماعت کے پاس کوئی بھی ایسی دلیل نہیں جس سے قیام یا ان دیگر چیزوں کو بدعت و ضلالت ثابت کر سکیں

مولوی صاحب کو ذلت کے ساتھ خاموشی اختیار کرنی پڑی اور قیام کا عدم جواز ثابت نہ کر کے
اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی باتیں طالب علمی کے زمانہ میں بہت مرتبہ ہوتی رہیں، نہ ان کی طرف
توجہ کی گئی اور نہ ان کو محفوظ رکھا گیا - الحمد للہ کہ ابتداء سے اب تک جب کبھی بھی کسی سے اس
قسم کی گفتگو ہوئی کبھی ہارنے اور ہزیمت اٹھانے کی نوبت نہیں آئی -

قوت استحضار:-

ابتدائی زمانہ میں جبکہ حافظہ اپنے پورے شباب پر تھا مضامین یاد تھے، نیچے سے
اوپر تک کسی کتاب کے پڑھانے میں مطالعہ دیکھنے کی حاجت نہ تھی، بغیر مطالعہ دیکھے ہوئے
بڑی سے بڑی کتاب کا درس دیا کرتا تھا اگرچہ مجھے اس بات کا اعتراف تھا کہ اساتذہ کے
طریق کے خلاف ہے مطالعہ دیکھ کر پڑھانا نہایت ہی بہتر اور مفید ہے -

ابتداء میں طریقہ تعلیم :-

اگر اس زمانہ میں اپنی یاد وغیرہ پر ایسا اعتماد رکھتا تھا کہ مطالعہ کی ضرورت نہ محسوس
کرتا - نیز پڑھانے کے وقت اس زمانہ میں اپنے سامنے کتاب نہیں رکھتا تھا اور کتاب
سامنے رکھ کر پڑھانا دماغ کی کمزوری پر محمول کرتا اور اپنے لئے اچھا نہ جانتا تھا - طالب علم
نے عبارت پڑھی ترجمہ کیا جو کچھ عبارت اور ترجمہ میں غلطیاں کرتے ان کے بتانے کیلئے
کتاب کے سامنے ہونے کی ضرورت نہ تھی اور مطلب اور کتاب کا مالہ وما علیہ دونوں ذہن
میں محفوظ تھا -

یہ طریق تعلیم اس وقت تک جاری رہا جب تک حدیث پڑھانے کا اتفاق نہ پڑا
حدیث شریف پڑھانے میں کتاب کا سامنے رکھنا ضروری ہوا پھر جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا
رہا طلبہ کی استعداد گھٹتی رہی - یہاں تک کہ نہ تو ان کو عبارت پڑھنے کا سلیقہ رہا اور نہ صحیح طور پر
کتاب کا ترجمہ کرنا جانتے ہیں ایک ایک سطر کی عبارت اور ترجمے میں کئی کئی جگہ ٹوکنا اور بتانا
پڑتا ہے، خود اپنے حافظے کی جولانی میں وہ بات نہ رہی جو پہلے رہا کرتی تھی افکار و حوادث نے
روز بروز دماغ کو کمزور کرنا شروع کر دیا تھا وہ تمام خصوصیتیں جو پہلے تھیں ان کو خیر باد کہنا پڑا

اور وہی رائج طریقہ جس کو معیوب سمجھا کرتا تھا خود ہی اختیار کرنا پڑا - طالب علمی کے زمانے
میں بلکہ ابتداء مدرسی کے دور میں پڑھانے کا وہی طور تھا جو حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب
علیہ الرحمہ سے اپنایا تھا اور جس طریقہ سے خود پڑھا تھا - اسی طریقہ سے پڑھانا بھی چاہتا تھا
مگر طلبہ میں سرعت کے ساتھ تنزلی اور بدشوقی ایسی رونما ہوئی کہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا
کہ اتنی جلدی ایسی بدتر حالت پیدا ہو جائیگی اسی حالت کو دیکھتے ہوئے وہ طریقہ تعلیم ناممکن
نظر آیا، درس کا بوجھ طالب علم کے سر سے اتار کر اپنے کندھوں پر لینا پڑا اور جب حافظے کی
بالکل کمزوری رونما ہوئی تو کتابوں کا مطالعہ بھی دیکھنا شروع کیا - تاکہ جو مضامین ذہن سے
جا چکے ہیں ان کا استحضار کیا جائے اور کتاب کا صحیح مطلب طلبہ کے ذہن نشین کیا جائے -

قدیم طرز تعلیم کا مقصد:-

میرے استاد مولانا ہدایت اللہ خانصاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے میری
تعلیم کا ماحصل یہ ہے کہ طالب علم میں اتنی استعداد پیدا ہو جائے کہ مشکل سے مشکل مضمون
بھی اگر اس کے سامنے پیش کیا جائے تو اسے سمجھ سکے اور اس کی تقریر بیان کر سکے، خواہ مطالعہ
دیکھ کر یا بے مطالعہ دیکھے ہوئے - چنانچہ ان کی دعاؤں کی برکت ہے کتابوں کے مشکل سے
مشکل مضمون کے سمجھنے میں بھی دشواری واقع نہ ہوئی، یہاں تک کہ بعض وہ دقیق کتابیں جو کہ
معرکۃ الآرا سمجھی جاتی ہیں اور ان کا سمجھنا اور پڑھانا دشوار قرار دیا جاتا ہے، ان کو بھی بحمدہ تعالیٰ
پڑھایا اور ان کے پڑھانے میں دشواری نہیں پیدا ہوئی، اگرچہ وہ کتابیں خود میری پڑھی ہوئی
نہ تھیں - مثلاً تتمہ اخوند یوسف صاحب خانقاھی اور شرح حکمۃ العین مع حواشی سید شریف میر
جرجانی معہ شرح چغمینی وغیرہ کہ ان کتابوں کو بفضلہ تعالیٰ بڑی خوبی کے ساتھ پڑھایا، یہ
سب اساتذہ کرام کے کرم اور ان کی دعاؤں کا صدقہ ہے -

حضرت استاذ کا وصال:-

شعبان ۱۳۲۶ھ میں جب پٹنہ میں مدرس تھے اور وہاں کی مدرسی کے دور کو ختم کرنا
چاہتے تھے، جونپور سے حضرت مولانا کی علالت کا خط پہنچا - وہاں سے براہِ راست جونپور

پہنچا حاضر خدمت ہوا مولانا پر فالج گرا تھا زبان بالکل بند ہو چکی تھی، مگر دماغ بالکل بیکار نہیں ہوا تھا آدمیوں کو دیکھ کر پہچان سکتے تھے، جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آنکھیں بند کئے ہوئے تھے، مولانا سید شاہ سلیمان اشرف صاحب علیہ الرحمۃ خدمت میں حاضر تھے انہوں نے نام لیکر فرمایا کہ فلاں شخص آیا ہوا ہے، فوراً آنکھیں کھول دیں انہیں سلام کیا اشارے سے جواب دیا، پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دیر تک کچھ پڑھتے رہے، قرینے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ میرے لئے دعا کر رہے تھے - برابر مولانا کی خدمت میں حاضر رہا مزاج کا وہی حال رہا، یہاں تک کہ شعبان کی ۲۹ر تاریخ آگئی مولانا سلیمان اشرف صاحب سے یہ کہہ کر وطن روانہ ہوا کہ مزاج میں اگر کسی قسم کا تغیر ظاہر ہو تو فوراً بذریعہ تار مطلع کریں، میں وہاں سے وطن آیا اور اسی روز رمضان کا چاند ہو گیا - رمضان کی پہلی ہی تاریخ کو داعی اجل کو لبیک کہہ کر ہم سب کو داغ مفارقت دیکر راہی ملک بقا ہوئے - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ -

مولانا کی ذات حقیقۃً حضرت خاتم المحققین مولانا فضل حق خیر آبادی کی ایک بہت بڑی یادگار تھی اور آپ کے عہد میں منطق و فلسفہ کا جاننے والا آپ کے مثل کوئی دوسرا نہ تھا حقیقۃً آپ کا دور کیا ختم ہوا کہ علوم عقلیہ کا زمانہ بھی ختم ہو گیا - نہ ویسے علماء رہے اب، نہ ان کے جیسے مدرسین، نہ اس قسم کے طلبہ رہے، نہ پڑھنے کے شوقین، اب پڑھنا پڑھانا کیا ہے ایک قسم کی خانہ پری ہی کرنی ہے، جب انتقال پر ملال کی خبر ملی بہت افسوس ہوا کہ آخر وقت میں ہی وہاں حاضر نہ رہ سکا - یکم رمضان ۱۳۲۶ھ مولانا کا انتقال ہوا اور رشید آباد میں آپ کا اسی جگہ مزار ہے جہاں آپ کے بھائی حافظ عنایت احمد صاحب اور صاحبزادہ مولوی اسماعیل صاحب مدفون ہیں -

بریلی سے وابستگی :-

بریلی کے زمانہ قیام میں بہت سی جگہوں سے ملازمت کیلئے لوگوں نے کوششیں کیں اور چاہا کہ ہمارے مدرسے میں آکر کام کریں مگر اعلیٰ حضرت قبلہ کے ساتھ جو تعلقات تھے اور اعلیٰ حضرت جیسی محبت فرماتے تھے قلب میں اس کا ایسا اثر تھا کہ بریلی چھوڑنے کو ہرگز

دل نے گوارا نہ کیا، اگرچہ دوسری جگہ بریلی سے بہت زیادہ تنخواہیں ملتی تھیں اور کام بھی بریلی کی بہ نسبت تقریباً ایک چھوٹا کرنا پڑتا مگر وہاں جانا پسند نہ کیا - بلکہ خود اعلیٰ حضرت نے بھی اگر لوگوں نے آپ سے لیجانے کی درخواست بھی کی تو اجازت نہیں دی - اعلیٰ حضرت کی وفات کے بعد کچھ زمانہ گزرنے کے بعد بریلی کو چھوڑنا پڑا -

بریلی اسکول کی احتیاط :-

۱۳۳۷ھ میں غالباً شوال کا مہینہ تھا اعلیٰ حضرت نے اپنی خاص صحبت میں ذکر فرمایا کہ اگر انتظام ہو سکا تو اسی سال مدینہ طیبہ جانے کا خیال ہے، اس موقع پر میں نے بھی عرض کیا کہ اگر حضور تشریف لے جائیں گے تو میں بھی ہمرکاب رہونگا، ارشاد فرمایا کہ مدینہ طیبہ تشریف لیجانے کے بجائے حاضر ہونا کہنا چاہئے - بہر صورت میں نے حرمین طیبین کی حاضری کا عزم کر لیا اور اس وقت اپنی حالت ایسی نہ تھی کہ اتنا بڑا سفر کیا معنی مختصر سے سفر کرنے کا سامان ہوتا، دل میں تشویش و خیال کیا کہ حج و زیارت کیلئے کہاں سے رقم فراہم کی جائے، خود میں ایک غریب آدمی مجھے اتنی بڑی رقم کون قرض دے دے گا اور وہ بھی اس حالت میں کہ ہندوستان چھوڑ کر حجاز مقدس جا رہا ہوں، غور و خوض کے بعد دل میں یہ فیصلہ ہوا کہ کچھ مخصوص احباب کو خطوط لکھوں اور ان سے بطور قرض ایک ایک رقم طلب کروں، چنانچہ چند احباب کی خدمت میں اس مضمون کے خطوط بھیجے کہ حرمین طیبین کی حاضری کا ارادہ ہے آپ سے اتنی رقم بطور قرض مانگتا ہوں، اس شرط سے کہ اگر میں واپس آگیا تو آپ کی رقم ادا کرنیکی کوشش کروں گا اور اگر نہ ادا کر سکا یا میں ہندوستان واپس نہ آیا تو آپ مجھے یہ رقم معاف کر دیں، جن لوگوں کے پاس میں نے خطوط بھیجے ان میں سے بعض نے میرا خط وصول ہوتے ہی منی آرڈر سے رقم بھیج دی اور بعض نے تحریری اطلاع دی کہ رقم موجود ہے جس وقت آپ جائیں گے فوراً منی آرڈر یا تار سے روانہ کر دی جائے گی، احباب کے ان وعدوں پر بڑا اطمینان ہوا اور اپنی غربت میں سفر حجاز کی تیاری میں بہت مسرت ہوئی اعلیٰ حضرت قبلہ کے سفر کا سامان تیار نہ ہو سکا لہذا ارادہ ملتوی کرنا پڑا اور ساتھ جانے والوں کو بھی رکنا ہی پڑا -

جن احباب نے روپیہ بھیج دیا تھا ان کا روپیہ واپس کر دیا اور جنہوں نے وعدہ کیا تھا ان کو بھی شکریہ کے ساتھ لکھ دیا کہ اعلیٰ حضرت نے اس سال سفر ملتوی فرما دیا اس وقت روپیہ بھیجنے کی حاجت نہیں، اگر پھر کسی موقع پر ضرورت ہوگی آپ کو تکلیف دی جائے گی، اگر چہ اس سال سفر ملتوی کرنا پڑا مگر دل میں حاضری کا جذبہ بھڑک اٹھا اور اندرونی طور پر حرمین طیبین کی حاضری کی کشش پیدا ہو جایا کرتی تھی۔

غیب سے سامان سفر:

ایک سال گزرنے کے بعد قدرت کی جانب سے ایسا سامان فراہم ہو گیا کہ میرے پاس خود اتنی رقم ہو گئی جو وہاں کے سفر کیلئے اس زمانے میں مناسب کافی وافی تھی۔ اتفاقاً میری اہلیہ اور تمام بچے انفلوئنزا کی بیماری میں مبتلا ہو گئے، سب کو بریلی سے وطن لایا، بچے تو بفضلہ تعالیٰ صحت یاب ہو گئے، مگر اہلیہ کی علالت میں کوئی افاقہ نہ ہوا۔ ماہ شوال میں جبکہ بظاہر میں وطن سے بریلی جا رہا تھا اہلیہ سے یہ تذکرہ کیا کہ میرا ارادہ حرمین کی حاضری کا ہے اور تم اس طرح بیمار ہو کیا مشورہ ہے؟ انہوں نے نہایت خوشی سے مجھ کو جانے کا مشورہ دیا اور یہ کہا کہ تم چلے جانا اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہے، مگر میں نے ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ جب تک میرا خط نہ آئے کسی پر یہ ظاہر نہ کرنا، وطن سے میں بریلی روانہ ہوا اور اپنے حجاز جانے کی کسی کو اطلاع نہ دی اسٹیشن پر منجھلے بھائی سے اس کا تذکرہ کر دیا اور کہہ دیا کہ ابھی اس کو صیغۂ راز میں رکھئے۔ بریلی پہنچا اعلیٰ حضرت قبلہ سے اجازت طلب کی اجازت عطا ہوئی، حاجی عبد الجبار چیت پور کے رہنے والے میرے پیر بھائی تھے اور وہ بریلی آئے ہوئے تھے، وہ بھی میرے ساتھ روانہ ہوئے اور ہم جودھپور پہنچے اور وہاں ایک روز کیلئے قیام کیا وہاں سے حاجی عبد الجبار صاحب نے بمبئی تک ایک آدمی میرے ساتھ کیا اور اس سے کہہ دیا کہ جب تک جہاز پر سوار نہ کرا دینا آپ کے ساتھ رہنا اور خدمت کرنا۔ بمبئی پہنچا اور شیخ امام علی آئس کریم والے جو میرے پیر بھائی تھے اور اعظم گڑھ ضلع کے رہنے والے تھے، ان سے بہت زیادہ تعلقات تھے انہیں کے ہوٹل میں جا کر اترا، مگر وہ اتفاق سے موجود نہ تھے وطن آئے ہوئے

تھے ان کے اور رشتہ داروں نے مجھے اپنا مہمان بنانا چاہا مگر میں نے صرف ایک روز کی مہمانی قبول کی، جے پور سے جو آدمی میرے ساتھ تھے وہ میرے کھانے پینے کا انتظام رکھتے تھے وہی کھانا پکایا کرتے تھے۔

بہار شریعت حصہ ششم کی تبییض:۔

چونکہ ہم جہاز کی روانگی معلوم کئے بغیر بمبئی پہنچ گئے تھے، وہاں معلوم ہوا کہ ابھی جہاز کی روانگی میں دس بارہ روز کا وقفہ ہے۔ اسی مدت کے اندر بہار شریعت جلد ششم جس کا مسودہ ہو چکا تھا۔ میں نے مبیضہ کرنا شروع کیا اور بفضلہ تعالیٰ اس کا مبیضہ تیار ہو گیا۔

شاگرد و رفیق سفر:۔

بمبئی میں میرے چند برادران طریقت موجود تھے، ان سے پاسپورٹ اور ٹکٹ وغیرہ کیلئے کہہ دیا، بلکہ سفر کی جملہ ضروریات انہیں کے سپرد تھیں غلہ اور کوئلہ اور کپڑا یہ سب کچھ ان صاحبوں نے خریدا۔ اتفاقاً مولوی عبد الکریم صاحب چتوڑی جو میرے شاگرد تھے، وہ بھی حج کو جانے والے تھے مع اپنی اہلیہ کے بمبئی پہنچے اور انہیں میرے بمبئی میں موجود ہونے اور حجاز مقدس جانے کی اطلاع ملی، وہ آئے اور ملاقی ہوئے، معلوم ہوا کہ انکے ساتھ انکے وطن کے پندرہ سولہ آدمی ان کے ہمراہ ہیں، ہم سب نے اکبر جہاز کا ٹکٹ لیا، کہ وہی سب سے پہلے جانے والا تھا اور سنا گیا کہ جہاز بھی اچھا ہے، ہمارا تمام سامان سفر حج کو جہاز پر بار کر دیا گیا اور ہمارے احباب نے جگہ بھی آرام کی بہت اچھی تجویز کر دی تھی، بلکہ میرے لئے ان لوگوں نے دو جگہیں حاصل کر لی تھیں ایک اوپر کے درجے میں اور ایک نیچے، کہ اگر گرمی معلوم ہو اوپر کے درجے میں آجاؤں اور اگر سردی لگے نیچے کے درجے میں چلا جاؤں۔ لیموں اور قسم قسم کے میوے اور پان کا ایک ٹوکرا اور بہت سی چیزیں بمبئی کے احباب نے اپنی جانب سے میرے ساتھ کر دی تھیں۔

غالباً آٹھ نو بجے صبح کو ہم جہاز پر سوار ہوئے اور چار بجے تک وہ جہاز گودی میں کھڑا رہا اس کے بعد روانہ ہوا۔ جہاز کے روانہ ہونے کے بعد بمبئی کے جو احباب ملنے آئے تھے وہ

رخصت ہوئے، تھوڑی دور جہاز چلا تھا، بمبئی کی عمارتیں ابھی نظر آرہی تھیں کہ جہاز میں تلاطم
کی کیفیت نمایاں ہوگئی۔

سفر دریا کے پریشان کن تجربات :-

پہلے یہ معلوم ہوا کہ جہاز ایک دم نشیب میں چلا جارہا ہے پھر یہ معلوم ہوا کہ بہت
اونچا چڑھتا ہوا اوپر کو جارہا ہے۔ اس کے بعد جہاز نے کروٹیں بدلنی شروع کردیں، تو ادھر کی
چیزیں ادھر اور ادھر کی چیزیں ادھر آنے جانے لگیں، مسافروں کو چکر آنے شروع ہوگئے، میں
خود بھی بہت زیادہ اسی کیفیت میں مبتلا ہوا، چکر آتا اور قے آتی، اٹھنے بیٹھنے کی تاب باقی نہ
تھی، اس جہاز میں سنا تھا کہ سترہ سو آدمی ہیں جسکو دیکھو اس کی یہی حالت جب سب کی یہی
کیفیت تھی تو کون کس کی خبر لے؟ غرض یہ کہ اس ہجوم میں جہاں اتنا اژدھام تھا کوئی کسی کی
خبر لینے والا نظر نہیں آتا تھا۔ کھڑے ہونے کی تو کیا مجال بیٹھنے کی ہمت بھی اپنے میں نظر نہیں
آتی تھی وضو کرنا کیا معنی تیمم بھی بدشواری کیا جاتا تھا۔

دو رکعت نماز پڑھنی بھی دوبھر :-

عشاء کی نماز کیلئے تیمم کیا اور یہ چاہا کہ بیٹھ کر اس نماز کو ادا کروں۔ نماز شروع کی اور
چاہا کہ جلد سے جلد اس کو پورا کروں، دو رکعت نماز اور وہ بھی مختصر طور پر پڑھنے کی کوشش، کتنا
زیادہ وقت صرف ہوا ہوگا، بہرحال دونوں رکعتیں پڑھنے کے بعد قعدے میں بیٹھا اور یہ چاہا
کہ کسی طرح جلد از جلد تشہد پڑھکر سلام پھیر دوں، کیونکہ چکر اور متلی کا بہت زیادہ غلبہ تھا مگر
تشہد پورا نہ کرسکا کہ قے ہوگئی اور بیٹھنے کی تاب نہ رہی لیٹ گیا، اس نماز کے فاسد ہونے کا
اس وقت مجھے نہایت ہی سخت صدمہ ہوا کہ اتنی محنت سے میں نے یہاں تک نماز کو پہنچایا تھا،
دو چار سیکنڈ پہلے اگر قے نہ آتی تو نماز پوری ہوجاتی۔ معلوم نہیں کہ اب کب نماز پڑھنے کا
موقع ملے گا اور کس طرح پڑھی جائیگی۔ گھنٹوں اس کا انتظار کیا کہ کچھ چکر کم ہو، تاکہ نماز ادا
کی جائی مگر وہی کیفیت دیکھی جو پہلے تھی، تیمم کیا اور لیٹ کر اشارے سے نماز ادا کی اس کے
بعد مسلسل کئی وقت تک لیٹ کر ہی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ جوں جوں جہاز آگے بڑھتا جاتا

ہے طغیانی شدید تر ہوتی جاتی ہے اب بمبئی سے ہمارے جہاز کو روانہ ہوئے پانچواں دن ہے
طغیانی میں کوئی کمی نہیں ہوئی مگر جب تکلیف بہت ہوجاتی ہے تو اس کا اثر کم محسوس ہونے لگتا
ہے آج دیکھا جارہا ہے کہ جہاز میں کچھ آدمی چلتے پھرتے نظر آئے اور بعض کھانے پینے کا بھی
کچھ انتظام کررہے ہیں، ہمارے ساتھ جو پھل رکھے ہوئے تھے اسی طرح پڑے ہوئے تھے،
اتنی ہمت نہ تھی کہ سنگترہ وغیرہ کوئی چیز کھائی جائے کہ چکر اور متلی بھی اس سے کم ہوگی اور
کمزوری میں بھی اس سے فرق آئیگا۔ آج ہم نے بھی محسوس کیا کہ کچھ کھانا چاہئے، دن گزرا
رات آئی غالباً آدھی رات ہوئی ہوگی کہ طغیانی کا یہ عالم تھا کہ سب لوگ زندگی سے مایوس
ہوگئے تھے۔ کوئی اذان کہہ رہا ہے کوئی کلمہ، ہر ایک شخص اپنے خیال میں جو اس کے بچنے کی
تدبیر تھی کررہا ہے، کہیں کہرام مچا ہوا ہے کوئی رو رہا ہے چلا رہا ہے، کوئی غوث پاک کو پکار رہا
ہے اور ان سے مدد مانگ رہا ہے، غرض یہ کہ جہاز والوں کی عجیب کیفیت تھی اور ہر ایک شخص
یہ سمجھ رہا تھا کہ ہماری زندگی کا یہ آخری لمحہ ہے، کہ اتنے میں ایک بڑے زور کا دھماکہ ہوا جیسے
معلوم ہوا کہ کسی نے جہاز پر گولہ باری کردی ہو اور ساری فضا میں دیکھا گیا کہ چنگاریاں اڑ
رہی ہیں، کوئی کہتا ہے جرمن نے گولہ مارا ہے کوئی کہہ رہا ہے کہ ایلڈن نے حملہ کیا تھا جو کچھ
زندگی کی رہی سہی امید تھی وہ بھی ختم ہوگئی، جہاز میں ایک شور ہے پتہ نہیں چلتا کہ آخر معاملہ کیا
ہے اور اس دھماکے کی حقیقت کیا ہے؟ جہاز کے اگلے حصہ میں جو اندر مسافر تھے ان کو کوشش
کرکے جلد از جلد نکالا جارہا ہے اور جہاں تک ممکن ہوسکا ان کا سامان بھی نکال کر اوپر
لایا گیا اس کے بعد اس طبقے میں پانی کا نل کھول دیا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ جہاز میں آگ لگ
گئی، آگ بجھانے کیلئے یہ پانی چھوڑا گیا ہے خدا خدا کرکے کسی طرح وہ رات ختم ہوئی اور صبح
ہوئی اور اب طغیانی کی حالت میں بھی کچھ کمی محسوس ہوئی بلکہ بہت کمی معلوم ہوئی۔ چل پھر کر
دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ نہ ایلڈن نے گولہ باری کی ہے نہ کسی اور نے جہاز پر گولہ
باری کی ہے، بلکہ واقعہ یہ پیش آیا کہ جہاز کے اندر جو خزانہ تھا اس میں آگ لگ گئی اور اندر ہی
اندر سلگ کر دھواں بڑھا اس نے اتنا زور کیا کہ خزانہ پھٹ گیا اور فضا میں چنگاریاں بلند

ہوئیں اور نیچے کے کمرے والوں کی جانیں خطرے میں پڑ گئیں، بلکہ بہت سے ہلاک ہو گئے اور بہتیرے ایسے آدمی دیکھنے میں آئے کہ جن کا ہاتھ پاؤں اور دیگر حصہ جسم بہت زیادہ جل گیا تھا-جن میں سے کئی ایک فوت ہو گئے-جب جہاز میں طغیانی کے آثار کم نظر آنے لگے تو بہت کچھ اطمینان حاصل ہوا اور سمجھے کہ مصیبت عظمیٰ سے نجات ملی-

بمبئی کو واپسی:-

خدا جانے آدھا راستہ طے ہو چکا ہو گا کہ اتنے میں بعض حجاج بولے کہ یہ کیا بات ہے کہ جہاز ادھر ہی کو جا رہا ہے جدھر سے آیا تھا، یعنی معلوم ہوتا ہے کہ جہاز بمبئی کو جا رہا ہے دوسروں نے انکار کیا، آپس میں ہی بحث ہو رہی ہے کوئی کہتا ہے جدہ جا رہا ہے اور کوئی بمبئی، اب تشویش کا ایک نیا باب کھلا کہ اگر خدانخواستہ بمبئی واپس گیا تو ہم لوگ حج سے بھی محروم رہے-جہاز کے خلاصیوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے گڑبڑ جواب دیا، کسی نے کہا بمبئی اور کسی نے جدہ بتایا، کپتان سے دریافت کیا گیا تو اس نے بتایا کہ جہاز کے کوئلہ میں آگ لگ گئی اور ہمارے پاس کوئلہ تو کیا معنی؟ عدن تک پہنچنے کے لائق بھی کوئلہ باقی نہیں ہے اور جہاز جتنا آگے بڑھتا ہے طغیانی زیادہ نظر آتی ہے، اس خطرناک حالت کو دیکھتے ہوئے اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ ہم کسی مستقر تک پہنچ نہیں سکتے، اگر آگے جاتے ہیں تو تمام حجاج کی جانیں سخت خطرے میں پڑ جاتی ہیں، یہ دیکھ کر ہم نے بمبئی کی واپسی کرنا ہی ضروری سمجھا کہ وہاں جو آگ لگ گئی ہے بجھائی جائیگی اور جہاز کی مرمت کی جائیگی اس کے بعد پھر جدہ روانہ ہوں گے-جو راستہ جہاز نے پانچ روز میں طے کیا تھا واپسی میں وہی راستہ دو روز میں طے ہوتا ہے، یعنی ساتویں روز بمبئی کے ساحل پر ہمارا جہاز واپس پہنچ جاتا ہے، حجاج جہاز سے اتر کر کوئی مسافر خانہ جاتا ہے کوئی دوسری جگہ جا رہا ہے، غرض یہ کہ جسکو جہاں ٹھکانہ ملا وہاں جا کر مقیم ہوا، میں بھی شیخ امام علی صاحب کے ہوٹل میں حسب دستور ٹھہرا-

ایک نیا اضطراب:-

جو کچھ پریشانیاں گزریں اور یہ ہفتہ جیسا خطرناک تھا اسے کیا بیان کیا جائے؟ اور

اب بڑی فکر اس بات کی ہے کہ جدہ جانے کیلئے جہاز کب ملے گا وہاں کب پہنچا جائے گا؟ معلوم نہیں کہ حج ملے کہ نہ ملے اس زمانے میں جہازوں پر گورنمنٹ کا کنٹرول نہ تھا کمپنیاں بطور خود روانہ کرتیں، خیر بمبئی میں ہم مقیم ہیں جہاز کے متعلق اور خبریں منگوا رہے ہیں اور یہ کوشش ہے کہ کوئی دوسرا جہاز مل جائے تو اس سے سفر کیا جائے، معلوم ہوا کہ اس جہاز کے مسافروں کو یہی جہاز مرمت ہو جانے کے بعد لے جائے گا-ان لوگوں کو دوسرا جہاز نہیں دیا جائے گا، یہ چیز عموماً مسافروں کیلئے بہت باعث تشویش تھی، جہاز سے اترنے کے بعد فوراً میں نے ایک خط اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر کیا جس میں مختصر طور پر بمبئی سے روانہ ہو کر ایک ہفتہ کے بعد واپس آنے کا اور قدرے پریشانیوں کا تذکرہ کیا-

اعلیٰ حضرت کی تسکین:-

فوراً اعلیٰ حضرت نے تسکین بخش جواب روانہ فرمایا-دوبارہ جہاز پر سوار ہونے سے قبل مجھے وصول ہو گیا تھا، غرض یہ کہ ایک ہفتہ میں جہاز مرمت ہو کر اس قابل ہوا کہ اب پھر اسے کام میں لایا جا سکے-مسافروں کو سوار ہونے کیلئے وقت مقرر کر دیا گیا-حقیقت یہ ہے کہ جذبہ شوق ہی وہ چیز تھی کہ ایسے زمانہ میں کہ جن آنکھوں سے سمندر کی حالت دیکھ آئے تھے، پھر اسی جہاز پر سوار ہونے کے لئے اس نے آمادہ کیا-میں نے یہ سنا کہ پہلے سترہ سو حجاج تھے اور اب دوبارہ صرف گیارہ سو رہ گئے، شاید کچھ تو کام آئے اور بہتوں کو سمندر کی حالت دیکھ کر سفر کی ہمت ہی نہ پڑی اور وہ لوگ وطن کو واپس ہو گئے-اس مرتبہ عصر کے وقت جہاز پر سوار ہوئے اور سنا یہ کہ جہاز رات میں روانہ ہو گا چنانچہ ایسا ہی ہوا-

تن بہ تقدیر یا جذبہ شوق:-

پہلی مرتبہ سوار ہوا تو اس وقت حجاج میں جو ولولہ اور جوش نظر آتا تھا وہ اب مفقود تھا گویا جا رہے ہیں مگر بظاہر اس منظر سابق کو دیکھ کر اپنی زندگیوں سے ناامید ہو رہے ہیں اور یہ سوچ رہے ہیں جو قدم راہ محبوب میں اٹھایا گیا اسے واپس نہیں کرنا چاہیے، اب تو جو کچھ ہونا ہے ضرور ہو گا، مرنا تو ایک دن ضروری ہے کیا اچھا ہے کہ ان کی راہ میں موت آئے-مولوی

عبدالکریم صاحب چتوڑی کے بعض رفقاء نے بھی یہی ارادہ کیا تھا کہ وطن واپس ہو جائیں
بہت بار سمجھانا پڑا اور سمجھانے کے بعد اپنے اس ارادے سے باز آئے۔

سمندر نے سینہ کھول دیا:۔

صبح کو آنکھ کھلی تو دیکھا کہ جہاز سمندر کی سطح پر تیرتا ہوا نہایت سبک روی کے ساتھ
جارہا ہے جوں جوں جہاز آگے بڑھ رہا ہے سمندر کی سطح دیدہ زیب ودلفریب ہوتی جارہی ہے
عجیب کشش اپنے اندر رکھتی ہے، حجاج نیچے سے اوپر آتے ہیں اور سمندر کی سیر وتفریح میں
مشغول ہیں، رنگ برنگ کا پانی اور طرح طرح کی مچھلیاں نظر آرہی ہیں اور بڑے لطف کے
ساتھ یہ سفر طے ہو رہا ہے۔مولوی عبدالکریم صاحب اور ان کے رفقاء اور دیگر حجاج جن سے
کچھ شناسائی ہوچکی ہے آتے ہیں اور ان سے گفتگو بھی ہوتی ہے علمی مسائل کے تذکرے ہیں
جن کو جس مسئلے کی ضرورت ہے آتا ہے اور پوچھتا ہے یہاں تک کہ ہمارا یہ جہاز عدن پہنچا۔

عدن ساحل پر زندگی کی چہل پہل:۔

عدن کی حالت ہمیشہ حجاج جو دیکھتے ہیں یہی اس وقت بھی تھی مانگنے والے لڑکے
سمندر کی سطحوں پر حجاج سے سوال کر رہے ہیں اور چھوٹی چھوٹی چاندی کی دوانیاں حجاج
سمندر میں پھینکتے ہیں پھر وہ نکال کر حاجیوں کو دکھاتے ہیں اور اپنے پاس رکھ لیتے ہیں کھجور
وغیرہ اور بہت سی چیزیں کشتیوں میں بیچنے کیلئے لوگ لائے ہوئے ہیں مچھلی بھی بک رہی ہے
پوری طرح سے حجاج خریداری میں مشغول ہیں اور تفریح کے ساتھ یہ وقت گزر رہا ہے۔اب
تک جہاز میں جگہ بہت وسیع تھی مگر عدن میں کئی سو حجاج یمن کے اس پر سوار ہوئے جس سے
وہ وسعت باقی نہ رہی اور جگہ پُر نظر آنے لگی۔میرے قریب بھی چند یمنی آکر بیٹھ گئے۔ان
میں بعض اہل علم اور کچھ طلبہ بھی تھے۔

ایک یمنی طالب علم:۔

ان میں ایک طالب علم کچھ منطق پڑھ رہا تھا جس کے دماغ میں منطق نے کچھ خلل
پیدا کر دیا تھا مجھ سے آکر الجھنے لگا اور منطق کی چھوٹی چھوٹی سی باتیں دریافت کرنے لگا اور وہ

بھی اس وجہ پر کہ ایک سوال کا ابھی پورے طور پر میں نے جواب بھی نہیں دیا ہے کہ اس نے
دوسرا سوال کر دیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس نے سمجھ لیا تھا کہ ہندوستان والے بھی یمن کی
طرح سے منطق سے ناواقف ہوتے ہیں، جب میں نے اس کی یہ حرکت بہت دیر تک دیکھی
اور میں نے یہ خیال کیا کہ ہم حج کو جارہے ہیں۔ہمیں کسی سے الجھنا نہیں چاہیے اور اس کو یہ
دیکھا کہ وہ کسی طرح باز نہیں آتا تو مجبوراً گفتگو کا رخ میں نے بدلا اور میں نے صرف ایک ہی
بات دریافت کی وہ یہ کہ تم بتاؤ کہ کلی طبعی کا وجود خارج میں ہے یا نہیں؟ جواب دو اس کے اوپر
دلیلیں قائم کرو جب میں نے یہ سوال کیا تو اسے پسینہ آنے لگا اور اس کے ساتھ والوں نے
اس کو بہت بتایا کہ ہم پہلے سے تجھ کو منع کر رہے تھے نہیں مانا، اب اگر جواب دے تو تجھے مزا
آئے، اس کے بعد وہ خاموش ہو گیا اور ان لوگوں سے ادھر ادھر کی پرلطف باتیں ہوتی رہیں
یہاں تک کہ جہاز قریب جدے کے پہنچا چونکہ وقت کی قلت کی وجہ سے کامران میں قرنطینہ
نہیں ہوا تھا اور ہم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم قرنطینہ سے بچ گئے مگر بچ نہ سکے اور جدے
سے قریب ایک جزیرہ ہے، وہیں تمام حجاج کو اترنا پڑا اور وہاں ایک شب گذار کر جدہ آنا ہوا۔

معلم کا انتخاب:۔

بمبئی سے جہاز میں ہمارے ساتھ معلم کے ایک ایجنٹ تھے جنہوں نے بہت ہی
خوش اخلاقی سے مجھ کو اور میرے تمام رفقاء کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا اور یہ کہ ہم ایجنٹ ہیں آپ
جدے میں اترتے وقت ان کا نام لیجئے ان کا نام مصطفیٰ تھا اور حقیقۃً یہ بہت اچھے شخص تھے،
انہوں نے تمام سفر میں آرام پہنچانے کی بہت کوشش کی، جدے میں معلم کا ایک وکیل رہتا
ہے ہمارے معلم کا وکیل ایک شخص الٰہ آباد کا رہنے والا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا اس نے ایک
مکان میں ہم تمام لوگوں کو ٹھہرایا۔

جدہ میں پانی کی دقت:۔

اس زمانے میں جدے میں جس چیز کی ہمیں بہت زیادہ تکلیف محسوس ہوئی وہ پانی
تھا۔بدو عورتیں ٹین میں پانی لے کر بیچنے آئی تھیں جو ہوتا اس میں ہاتھ ڈال کر ایک چلو پانی

لیکر چکھتا کہ یہ میٹھا ہے یا پھیکا- ہرکس وناکس کے اس طرح پر نیمن میں ہاتھ ڈالنے سے
طبیعت کو اس سے ناگواری محسوس ہوئی، مگر کیا کیا جائے بات اپنے اختیار کی نہیں تھی-
مسجدوں میں بہت چھوٹے چھوٹے سے حوض بنے ہوئے تھے، جس میں نہایت مختصر کھاری
پانی تھا ہمارے طور پر تو وہ حوض اتنے بڑے نہ تھے کہ ان کو دہ دردہ کہا جائے اور اس میں وضو
کرنا جائز ہو، بعض لوگوں کو ان حوضوں کی نالیوں پر طہارت کرتے ہوئے دیکھ کر ان حوضوں
سے نفرت پیدا ہوگئی، بہرحال میں تو اس پانی سے وضو کر لیتا جو وضو کیلئے لیا جاتا یا کسی ایسی مسجد
میں پہنچتا جہاں اطمینان کے قابل پانی ملتا تو وضو کرتا-

ایک عجیب حادثہ:-

ایک روز ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا میں اور مولوی عبدالکریم صاحب بعض
دوسرے لوگوں میں یہ مشورہ ہوا کہ چلو سمندر کے کنارے غسل کر آئیں، ہم چند اشخاص
کنارے پر پہنچے تو میری کمر میں ہمیانی بندھی ہوئی تھی، جس میں گنیاں اور سو سو کے نوٹ
تقریباً سات سو کے تھے- ہمیانی کھول کر وہیں کنارے پر ایک موٹی سی لکڑی پڑی ہوئی تھی
اس پر رکھ دی اور خود سمندر میں نہانے کیلئے گھس گیا، ہم سب نہا کر فارغ ہوئے کپڑے بدل
کر وہاں سے قیام گاہ کو روانہ ہوگئے، جب یہاں پہنچے تو بہت دیر کے بعد کمر پر جب میرا ہاتھ
پڑا تو معلوم ہوا کہ ہمیانی نہیں ہے، اس وقت دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی کہ میرا سارا
سرمایہ وہی تھا اب میں مکہ معظمہ کس طرح پہنچ سکوں گا اور حج کیونکر ادا کرونگا؟ خیر اگر ہمت کر
کے یہاں سے پیدل دو روز میں مکہ مکرمہ پہنچوں اور پھر عرفات کا آنا جانا پیدل ہو تو ایک اہم
مقصود کہ مدینہ منورہ کی حاضری ہے کیونکر پورا کر سکوں گا؟ مولوی عبدالکریم میرے پاس ہی
تھے ان سے میں نے آہستہ سے کہا کہ میری ہمیانی غائب ہوگئی اور میں نے اس وقت اِنَّا لِلّٰہِ
وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا- مولوی صاحب نے پوچھا کہ کیا ہوئی کہاں غائب ہوئی؟ میں نے
ان کو بتایا کہ نہانے گیا تھا، وہیں لکڑی پر چھوڑ کر چلا آیا، سمندر کے کنارے، وہاں آدمیوں کا
ایک ہجوم ہے حجاج اور بدو اور طرح طرح کے لوگ وہاں تھے، ملنے کی کوئی صورت اب باقی

نہیں ہے، مگر چلنا چاہیے اگر مقدر میں ہوئی تو مل جائے گی ہم دونوں نے کھانا بھی نہیں کھایا،
ساتھ والے کہتے رہے ان سے کہدیا کہ تم کھاؤ ہم ابھی آتے ہیں، سمندر کے کنارے پہنچے
دیکھا کہ اب بھی سمندر کے کنارے کافی ہجوم ہے، مگر میری ہمیانی جس جگہ میں نے رکھی تھی
وہیں پڑی ہوئی نظر آئی، خدا کا شکر بجالایا کہ مسافرت اور غربت میں اگر نہ ملتی تو کہیں کا
نہ رہتا-

ذی الحجہ کا چاند اسی روز دیکھا جا چکا تھا جب جہاز جدہ کے کنارے جزیرہ میں ٹھہرا
تھا، گویا ہم ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو دن میں جدہ پہنچ گئے اور اونٹوں کا انتظار کر رہے ہیں کہ
اونٹ آئیں اور ہم مکہ معظمہ روانہ ہوں، شریف حسین کی حکومت کا دور ہے، عرب ان کے
پورے طور پر مطیع نہیں ہیں، اونٹوں کو فراہم کرنے میں حکومت کو دشواری پیش آرہی ہے-
ادھر حج کا وقت قریب ہوتا جارہا ہے اور حجاج کی پریشانی بڑھتی جارہی ہے- ہم سب لوگوں
نے یہ چاہا کہ جدہ سے مکہ مکرمہ بہت زیادہ دور نہیں ہے، ہم لوگ اتنے بھی کمزور نہیں کہ یہ دو
دن کا راستہ نہ طے کرسکیں، پیدل جانے کے ارادے سے قیام گاہ سے چلے، باب مکہ تک پہنچے
دیکھا کہ حکومت کے آدمی دروازے سے باہر جانے کو روک رہے ہیں، معلوم نہیں کہ یہ حجاج
کو روکنا اس وجہ سے تھا حکومت کی بدنامی ہوگی یا حکومت کا نقصان ہوگا، ظاہر یہ ہے کہ دونوں
باتیں تھیں، اونٹوں کے انتظام میں بہت تاخیر ہوئی، یہاں تک کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو
ہم سب نے قران کا احرام باندھا تھا عمرہ کے ادا کرنے کا موقع نہ ملا، اگر یہاں رکتے تو
وقوف عرفہ فوت ہو جاتا اور ہمیں حج نہ ملتا، مکہ معظمہ میں رکے ہوئے بغیر عرفات پہنچے، وہاں
سے وقوف کے بعد مزدلفہ رکے پھر منیٰ ہی آکر قیام کیا، اس تاخیر کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں حج
کے آداب اور سنن میں بہت سی چیزوں کو چھوڑنا پڑا- خیر اللہ کا شکر ہے اور اس کا فضل وکرم
ہے کہ حج مل گیا ورنہ ایک سال تک مکہ معظمہ ٹھہرنا پڑتا اور طرح طرح کی دشواریوں کا سامنا
کرنا پڑتا-

لو کی شدت:-

ایک واقعہ اس موقع پر قابل ذکر ہے کہ جب حجاج کا یہ پچھلا قافلہ جدے سے روانہ ہوا تو اس کو بغیر توقف مسلسل عرفات تک جانا تھا اتفاق سے اس روز دھوپ میں نہایت درجہ کی شدت تھی اور ہوا میں ایک قسم کی سمیت پیدا ہوگئی تھی بہت سے آدمیوں کو خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ راستہ چلتے چلتے وہ چکر کھا کر گر پڑے اور فوراً مر گئے، بلکہ کئی واقعے اونٹ پر سوار ہونے والے حجاج کے پیش آئے، میرے اونٹ کے برابر ہی دو عورتیں تھیں جو غالباً چھپرے کی رہنے والی تھیں، یکے بعد دیگرے اونٹ ہی پر انہیں چکر آیا اور وہیں ختم ہو گئیں کتنے حاجیوں کو اس طرح مرا ہوا پڑا دیکھا خود یہ ہمت نہ ہوئی کہ اونٹ سے اُتر کر کچھ کر سکیں کہ اولاً تو کر بھی کیا سکتے تھے؟ ثانیاً خود ہی اپنی جان کا قوی اندیشہ تھا-

منیٰ کا مختصر قیام:-

دن میں منیٰ میں رمی جمار کی اور شب کے وقت میں اور مولوی عبدالکریم صاحب اور چند دیگر احباب مکہ معظمہ آئے جہاں آکر طواف افاضہ کیا، پھر وہاں سے منیٰ رات ہی میں واپس روانہ ہوئے بارہویں تاریخ کو رمی جمار کر کے دوسرے حجاج کے ساتھ مکہ معظمہ واپس ہوئے، کیونکہ بہت زمانے سے یہی دستور ہو گیا ہے کہ حجاج بارہویں ہی کو واپس آجاتے ہیں تیرہویں کو رمی نہیں کرتے- ایسی صورت میں اگر دو چار آدمی وہاں رہنا بھی چاہیں تو ان کے لئے دشواریاں اور خطرے ہیں-

مکہ کے عمرے:-

مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں بہت سے عمرے کئے، چاندنی راتیں تھیں، رات ہی میں تنعیم جاتا وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر نماز فجر کے وقت مسجد حرام شریف میں واپس آ جاتا- نماز فجر ادا کرنے کے بعد عمرہ کے ارکان ادا کر کے احرام سے فراغت حاصل کرتا- زمانہ قیام میں مکہ معظمہ کے علماء کی خدمت میں حاضری کا بھی اتفاق ہوا ان کی صحبتیں بہت پر لطف تھیں-

مولانا احمد شمس الدین مدنی:-

مولانا احمد شمس الدین مدنی جو مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر تھے، حج کیلئے مکہ معظمہ آئے ہوئے تھے- باب السلام کے قریب اقامت پذیر تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہوا بڑے مقدس بزرگ تھے چہرہ ان کا کپڑے سے چھپا ہوتا، صرف آنکھیں کھلی رہتیں نہایت خوش اخلاق بزرگ تھے- ان کی خدمت میں جو کوئی حاضر ہوتا ضرور کچھ کھانے کو پیش کرتے، عموماً مدینہ طیبہ کی اعلیٰ قسم کی کھجوریں جو ان کے ساتھ تھیں پیش فرماتے تھے- انہوں نے مجھے جب یہ دیکھا کہ اسے علم سے کچھ تعلق ہے اور ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت کے خدام میں سے ہے تو بہت زیادہ احترام کرتے، یہ بزرگ کہا جاتا تھا کہ بدویوں کے پیر ہیں اور ان کی نسبت یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف ایک بکری کے دودھ پر اکتفا کرتے ہیں، حج کو آتے ہیں تو اپنی بکری بھی ساتھ لاتے ہیں، پُر خطر زمانے میں بھی پُر خطر مقامات میں ان کیلئے کوئی خطرہ نہیں ان کو اور ان کے رفقاء کو نہایت آرام کے ساتھ بدو منزل پر پہنچایا کرتے تھے-

علمائے حرم میں اعلیٰ حضرت کا چرچا:-

اور بھی بہت سے علماء مولانا عابد مولانا عبداللہ مرداد وغیرھم سے ملاقاتیں ہوتی رہیں اور کبھی کبھی کچھ علمی تذکرے بھی رہے جو سنتا کہ اس کو اعلیٰ حضرت سے تعلق ہے نہایت عزت واحترام کرتا- مولانا عبداللہ سراج جو قاضی القضاۃ تھے اور شریف حسین صاحب کے یہاں سب سے بڑا مرتبہ انہیں کا تھا، یہ مولانا کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے اور شریف صاحب کو سیدنا کہا جاتا تھا- ان کی خدمت میں بھی کئی مرتبہ جانا ہوا- پہلی مرتبہ حمیدیہ وہاں کا دارالحکومت تھا وہاں پہنچا اور مولانا کی خدمت میں اطلاع بھیجی کہ ایک ہندی شخص جو فلاں نام اور فلاں جگہ کا رہنے والا ہے آپ سے ملنے کی خواہش کرتا ہے- خادم نے دروازے پر کرسی رکھ دی اس پر بیٹھا رہا کچھ دیر کے بعد اندر بلا لیا گیا- مولانا عبداللہ سراج ایک اچھے اور قابل عالم تھے بظاہر بڑے سیاستدان بھی معلوم ہوتے تھے- اخلاق نہایت پاکیزہ تھا- یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ متبع شرع ہیں- مکہ معظمہ میں وہ ایک خاندانی عالم تھے- حضرت مولانا

عبدالرحمن سراج عبداللہ سراج کے فرزند تھے ان سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی - جب میں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کا نام ان کے سامنے لیا اور اپنا تعلق بیان کیا تو وہ بہت زیادہ مسرور اور خوش ہوئے، اعلیٰ حضرت سے غائبانہ نہایت درجہ محبت رکھتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ جس سال اعلیٰ حضرت شیخ امام احمد رضا خان یہاں تشریف لائے تھے میں موجود نہ تھا اس زمانہ میں ملک شام میں تھا مگر میں ان کے فضل وکمال سے واقف ہوں، ان کی بعض تصانیف بھی میں نے دیکھی ہیں جن کی وجہ سے میں ان کی قابلیت کا معترف ہوں اور مکہ معظمہ کے بڑے بڑے علماء مولانا شیخ صالح کمال مفتی حنفیہ اور حضرت مولانا شیخ سعید بابصیل مفتی شافعیہ سے ان کی تعریفیں سن چکا ہوں -

ایک دن یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ نماز مغرب کے بعد ہم لوگ حرم شریف میں حاضر ہیں - اس روز نماز مغرب مولانا عبداللہ مرداد نے پڑھائی تھی -

ایک پاگل وہابی :-

ایک سہارنپوری وہابی زور زور سے چلانے لگا کہ مولانا خلیل احمد صاحب جو ہندوستان کے اتنے بڑے زبردست عالم یہاں موجود ہیں ان کی موجودگی میں عرب کا یہ کتا نماز پڑھاتا ہے، ان بے ہودہ الفاظ کو اس نے بار بار کہا - عربوں نے تو اس کی بات سمجھی نہیں ورنہ فوراً اس کو وہیں ٹھیک کر دیتے - کچھ ہندوستانیوں کو اس کے یہ الفاظ برے معلوم ہوئے کسی نے مولانا عبداللہ مرداد سے بھی جا کر اس کے بے ہودہ الفاظ نقل کیے، انہیں اعتبار نہیں آیا، میرے پاس پوچھنے کو آئے کہ کیا اس نے ایسا کہا میں نے کہا اس نے ضرور کہا ہے، وہابیوں کے نزدیک اہل عرب کی عزت ہی کیا ہے؟ مولانا عبداللہ مرداد کو غصہ آیا ایک پولیس کے آدمی کو اشارہ کیا اس کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں لے گیا، دوسرے دن یہ سننے میں آیا کہ وہ شخص پاگل تھا یا پاگل بن گیا تھا اس لئے حکام نے اس کی ایسی حالت دیکھ کر چھوڑ دینا ہی مناسب سمجھا -

مقام ولادت نبوی کے انوار :-

حج سے فارغ ہونے کے بعد مکہ معظمہ کے مقامات متبرکہ کی زیارتیں بھی کرتا رہا - وہ جگہ جہاں ولادت شریف ہوئی ہے، اس کی زیارت میں عجیب وغریب کیفیت پیدا ہوئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انوار کی بارش ہو رہی ہے دل ودماغ پر انوار اتر رہے ہیں - جو کیف یہاں حاصل ہوا اتنا دوسری جگہ محسوس نہیں ہوا - یہاں کی زیارتوں سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ طیبہ کی روانگی کا وقت آیا - آخر میں مکہ معظمہ سے جدہ اور جدے سے مدینہ طیبہ کو روانہ ہوا - کئی منزلیں اسی راستے پر چلتا ہوا جو مشہور ومعروف ہیں - اس کے بعد سننے میں آیا کہ راستہ نہایت مخدوش ہے اگر سلطانی راستہ پر قافلہ جائے گا تو لوٹ لیا جائے گا -

راستے کی صعوبتیں :-

بلکہ ایک جگہ بدوؤں نے قافلہ کو گھیرا ایک یا دو مجیدی فی حاجی دیکر معاملہ طے کیا گیا - اس کے بعد پھر ایک جگہ بڑی دشواریاں نظر آئیں - اور قافلے کے بدوؤں نے غار کے راستے سے جانا طے کیا یہ راستہ بہت دشوار گذار اور سخت ہے - سکری اور سغدف تمام حجاج نے یہیں نیچے چھوڑ دیئے اور اونٹ کی پیٹھ پر اپنا ضروری سامان لاد دیا - اس پہاڑی راستے کو سب نے پیدل طے کیا - بعد نماز مغرب پہاڑ کے نیچے سے روانگی ہوئی اور صبح کو قریب آفتاب طلوع ہونے کے بعد اوپر پہنچے گویا ساری رات اس پہاڑ کی کھوہ میں گذر گئی آدمیوں کیلئے تو ہو سکتا ہے چند گھنٹوں میں اس راستے کو طے کر لیتے مگر اونٹوں کیلئے یہ کسی طرح ممکن نہ تھا، بہت سنبھال سنبھال کر نہایت ہوشیاری کے ساتھ بدو اونٹوں کو پہنچا رہے تھے، بہت سی جگہ یہ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ اونٹ اس جگہ کو عبور نہ کر سکیں اور ہلاک ہو جائیں گے، مگر خدا خدا کر کے پورا قافلہ اور اونٹ اس پہاڑ کو طے کر گئے - نماز فجر پڑھنے کے بعد کچھ دور اور چل کر منزل کر دی گئی - اور اب تک تو جہاں جہاں منزلیں کرنی پڑی تھیں اپنے سغدف کے سائے میں وقت گزار لیا جاتا تھا، مگر آج بالکل میدان ہے نہ درخت ہے جس کے سائے میں پناہ لی جائے نہ سغدف ہی ہے کہ اس کو کھڑا کر کے اس کے اندر بیٹھ لیا جائے، سخت تکلیف میں پورا

دن کٹا۔ اب قافلہ روانہ ہوا تو حاجیوں کو اونٹوں کی پیٹھوں پر بیٹھنا پڑا۔ ایک ایک اونٹ کی پیٹھ پر دو دو حاجی آگے پیچھے بیٹھے ہوئے راستہ طے کر رہے ہیں اور رغار کی وہ رات سلم جاگتے میں گذری تھی اور دن کو بھی دھوپ میں نہ کچھ آرام ملا نہ نیند آئی، اب یہ رات حجاج پر بہت دشوار آئی۔ بہت سے لوگ اونٹ کی پیٹھ پر جھونکے لے رہے ہیں اور اندیشہ ہو رہا ہے کہ کہیں گر نہ پڑیں۔ بہت سے لوگ نیند کو دفع کرنے کیلئے اونٹ سے اتر کر پیدل چل رہے ہیں، پھر جب مدینہ طیبہ ایک منزل باقی رہ گیا تو ایک شب ایسی آئی کہ راستے میں آدمیوں کے سر کے برابر اور اس سے چھوٹے بڑے پتھر بہت کثرت سے تھے کہ ان میں انسان کا چلنا بھی دشوار تھا

اونٹ کے پاؤں میں آنکھ:۔

اونٹ کے چلنے میں ہر قدم پر یہ اندیشہ تھا کہ اگر اسے ٹھوکر لگی اور گرا تو وہ گرے گا ہی سوار کی جان کا بھی ان پتھروں میں بچنا دشوار ہوگا، مگر مشہور ہے کہ اونٹ کے پاؤں میں آنکھ ہوتی ہے نہایت صفائی کے ساتھ بڑی خوبی سے اونٹوں نے اس راستے کو طے کیا صرف بعض کو کسی کسی جگہ معمولی سی ٹھوکر لگی ورنہ سارا راستہ امن کے ساتھ گزرا۔

مولوی عبدالکریم چتوڑی:۔

مولوی عبدالکریم صاحب چتوڑی اور ان کی اہلیہ نے بہت ہی زیادہ آرام پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو اس کا اجر عطا فرمائے اور جوار رحمت میں جگہ دے آمین۔ منزلوں پر پانی ملنے میں سخت سے سخت دشواریاں پیش آئیں، مگر وہ میرے وضو کیلئے کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ کر ضرور پانی لاتے، شاید کبھی ایسا موقع نہ دیا کہ مجھے تیمم سے نماز پڑھنی پڑی ہو۔ عموماً قافلہ دن ہی میں روانہ ہو جاتا تھا۔ اکثر ظہر کی نماز اول وقت میں پڑھ کر اسی وقت قافلہ روانہ ہوتا پھر برابر چلتا رہتا۔ مغرب کے وقت کچھ دیر کیلئے ٹھہر جاتا کہ لوگ جلدی جلدی نماز مغرب ادا کر کے کچھ کھا پی لیں بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا کہ کھانے کا موقع نہیں ملتا اونٹوں ہی پر حجاج کھا لیا کرتے، مولوی عبدالکریم صاحب قافلہ کی روانگی سے قبل بھی پہلے مجھے کھانا کھلا کر اس کے بعد خود وہ کھاتے اور ان کی گھر والی، اسی طرح بعد نماز مغرب بھی سب سے پہلے انہیں میرے

کھانے کی فکر رہتی۔ اسی طرح آرام کے ساتھ ان کی معیت میں یہ سفر ختم ہوا۔

صبح امید:۔

اب وہ رات آئی جسکی صبح مدینہ طیبہ میں حاضری ہوگی، شام ہی سے کچھ دل پر عجیب کیف ہے، ذوق وشوق کا وہ عالم کہ دل قابو سے باہر، قافلہ روانہ ہوا۔ اس دیار پاک کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں دل کی مرجھائی ہوئی پلکوں کو شگفتہ کر رہی ہیں۔ ہوا کے ایسے خوشگوار جھونکے کہ کبھی ایسی پر لطف ہوائیں نہیں ملی تھیں۔ جوں جوں مدینہ منورہ قریب ہوتا جاتا ہے وارفتگی کا عالم بڑھتا جاتا ہے۔ چاندنی رات ہے، دور تک میدان آنکھوں کے سامنے ہے، کبھی سراب سمندر کی طرح موجیں مار رہا ہے۔ کہیں کھجوروں کے باغات اور درخت رات میں عجیب خوشنما منظر پیش کر رہے ہیں۔ ~~دل کھنچا جا رہا ہے جی چاہتا ہے کہ جلدی [illegible] میں~~ یہ تمام راستہ طے ہو جاتا جلد سے جلد حاضر آستانہ ہو کر دل کی آرزوؤں کو پورا کرتے۔

سبز گنبد کا کلس:

صبح صادق کا وقت آیا اور اس صحرا میں بہت دور سے گنبد خضری کا کلس چمکا وہ روح پرور نظارہ کبھی دل سے محو نہیں ہو سکتا۔ زباں پر درود وسلام ہاتھ ناف سے نیچے بندھے ہوئے اور سر جھکے ہوئے، ادب کے ساتھ اس راستے کو طے کیا جا رہا ہے، کبھی آنکھیں بند ہوتی ہیں کبھی دل میں ایک عجیب قسم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور کبھی کھلتی ہیں تو گنبد خضری پر پڑ کر دل میں کچھ عجیب ذوق وشوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح درود وسلام کا تحفہ نچھاور کرتے ہوئے پاپیادہ تمام حجاج عشق ومحبت میں متوالے بنے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ وقت زیادہ ہو چکا ہے اتنا موقع نہ تھا کہ مسجد نبوی میں حاضر ہو کر نماز فجر ادا کی جائے پڑاؤ ہی پر نماز فجر ادا کی گئی اور خیال یہ ہے کہ غسل کر کے کپڑے بدل کر حاضر دربار ہونا چاہیے۔

حاضری دربار:۔

مدینہ طیبہ کے مجاور صاحب نے ایک مکان میں ٹھہرایا جو باب جبریل کے قریب تھا

فوراً وہاں غسل کیا کپڑے بدلے اور خوشبو وغیرہ لگا کر دربار بیکس پناہ سرکار دو جہاں مالک کون ومکاں حضور اقدس ﷺ میں حاضر ہوا۔ نہ آنکھ بتا سکتی ہے کہ کیا دیکھا وہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اسکا دیکھنا نصیب کرے اور ہر مومن وہاں کی حاضری سے بہرہ مند ہو۔ آمین!
آنکھیں بند ہیں، ہاتھ اٹھے ہوئے ہیں، دل میں تمناؤں کا ہجوم ہے سراپا سوال بن کر اس دربار عالی میں حاضر ہیں اور ان سے ہر ایک قسم کی عطا کی امید رکھتے ہیں وہ زمانہ شیاطین نجدیہ کا تو تھا نہیں کہ اگر ہاتھ اٹھائے جائیں تو نیچے کر دیئے جائیں اور ان کے دربار میں کچھ عرض کیا جائے تو مار کر نکالے جائیں، جتنی دیر تک جس نے چاہا درود و سلام پڑھتا رہا اور اپنی التجائیں پیش کرتا رہا۔

علماء مدینۃ النبی:۔

مدینہ طیبہ کی حاضری کے زمانے میں یہاں کے علماء کی زیارتوں اور ملاقاتوں کا موقع نصیب ہوا۔ مولانا شیخ احمد شمس جن کا تذکرہ اوپر کر چکا ہوں وہ مدینہ طیبہ آچکے ہیں ان کے یہاں بھی گیا، بہت اخلاق سے پیش آئے۔ شیخ الدلائل سید رضوان صاحب کے پاس بھی جانا ہوا اور ان سے مسجد مقدس میں کبھی کبھی نیاز حاصل ہوتا۔ وہاں کے تمام علماء میں سب سے بہتر ایک عالم مغربی کو میں نے پایا جن کو غالباً احمد شنقیطی کہتے تھے۔ ان کے یہاں علمی مذاکرے بھی ہوئے، بحمدہ تعالیٰ بہت قابلیت رکھتے تھے، چونکہ وہ زمانہ بہت فتنے کا زمانہ تھا اس لئے مدینہ طیبہ میں حجاج کو بہت تھوڑی اقامت کا موقع ملتا تھا، اس قلیل زمانے میں کچھ بھی نہ ہو سکا، نہ وہاں کے حالات کے پورے طور پر معلوم کرنے کا موقع مل سکا۔ قبا شریف اور اُحد شریف پر جانے کی خواہش ظاہر کی معلوم ہوا کہ وہاں جانا اس وقت بہت پُر خطر ہے اور جانا اپنے خیال میں ضروری تھا ایک گھوڑا گاڑی کرایہ کی لی گئی کہ گاڑی پر خطرہ کم ہوتا اور ایک بدو کو اپنے ساتھ شناخت کیلئے اجرت پر رکھا اس طرح پر وہاں حاضر ہو کر زیارتیں کر سکے۔

حجاز میں بدامنی کا دورہ:۔

ترکیوں کا دور حکومت حجاز مقدس سے ختم ہو چکا تھا، حجازیوں کی وہ آمدنیاں جو ترکی

سے وابستہ تھیں معدوم ہو چکی تھیں اور جنگ عظیم کے بعد گرانی بھی سخت تھی۔ تین پاؤ یا سیر بھر آٹا یا چاول ملتا تھا جو اس زمانے کے لحاظ سے اتنی شدید گرانی تھی کہ گویا گرانی کیا تھی موت کا پیغام تھا۔ میں نے وہاں یہ بھی روایتیں سنیں کہ مدینہ طیبہ کے بہت سے معزز گھرانے کے علماء اور سادات اسی دور میں فاقہ کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہو گئے، جن کی خشک لاشیں ان کے مکانوں میں پائیں گئیں اور انہوں نے اپنے فاقے کا اظہار لوگوں کے سامنے کرنا پسند نہ کیا۔

مولانا ضیاء الدین مدنی خلیفہ اعلیٰ حضرت:۔

مولوی ضیاء الدین مدنی صاحب جو پنجاب کے رہنے والے تھے اور انہوں نے ترک وطن کیا اور مدینہ طیبہ میں بحیثیت مہاجر سکونت پذیر ہوئے، ان کو اعلیٰ حضرت قبلہ سے بہت زیادہ عقیدت تھی اور ان کے وابستگان کے ساتھ محبت۔ جب انہیں میرے مکہ معظمہ آنے کی خبر ہوئی تو برابر وہ میری مدینہ طیبہ کی حاضری کا انتظار کر رہے تھے، وہاں حاضر ہوتے ہی ان سے ملاقات ہوئی اس وقت یہ موجود تھے اور رباط عجمی میں ان کا قیام تھا، جس حجرے میں رہتے تھے وہ ایسے بہترین موقع پر واقع تھا کہ گنبد خضریٰ بالکل سامنے تھا، گویا مسجد سے باہر رہتے ہوئے ہر وقت روضۂ اقدس کا نظارہ نصیب تھا، جب میں ان کے وہاں جاتا اس پاکیزہ منظر کو دیکھ کر وہاں سے آنے کو جی نہ چاہتا تھا۔

حرم نبوی ﷺ کی ایک رات:

ایک روز عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد مولوی ضیاء الدین صاحب میرے پاس آئے اور یہ فرمایا کہ آپ یہ رات مسجد نبوی میں حضور انور کے مواجہہ میں گذارنا چاہتے ہیں، یہ مژدۂ جانفزا سن کر دل باغ باغ ہو گیا کہ اپنے غلاموں کو اس طرح نوازا جاتا ہے اور سرفراز کیا جاتا ہے، ایسی عظیم الشان دولت مجھ گنہ گار کو بے طلب عطا فرمائی، میرے تو خیال میں یہ بات نہ تھی کہ یہ چیز ممکن ہو گی، میں تو یہ سمجھے ہوئے تھا کہ سارے دروازے حرم نبوی کے بند ہو جاتے ہیں اور سوا خواجہ سوا خدام کے یہاں کوئی بھی رہنے نہیں پاتا اور تھا بھی ایسا ہی، مگر مولانا

نے جب یہ خبر سنائی تو میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی، میں نے عرض کیا اس سے بہتر میرے لئے کیا چیز ہو سکتی ہے؟ کہ رات کی تنہائی میں مجھے مواجہہ اقدس میں حاضری نصیب ہو- مولانا نے فرمایا کہ جب نماز عشاء کے بعد یہاں سے لوگ چلے جاتے ہیں تو آپ مکبریہ کے نیچے بیٹھ رہیں میں جنت کی کیاریوں میں اس وقت بیٹھا ہوا تھا- جب نمازیوں کا مجمع میں نے دیکھا کہ بہت زیادہ نکل چکا ہے اور کچھ لوگ باقی رہ چکے ہیں تو مکبریہ کے نیچے آ کر بیٹھ گیا، خدام حرم نبوی، روشنی لئے ہر طرف دیکھ رہے ہیں، جو کوئی انہیں ملتا ہے مسجد سے باہر جانے کا حکم دیتے ہیں غرض ساری مسجد خالی ہو گئی اور دروازے بند ہو چکے، تو ایک صاحب میرے پاس آتے ہیں اور انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم یہاں رہو گے؟ میں نے کہا ہاں تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور وہاں لے گئے جہاں مسجد نبوی کا وضو خانہ ہے اور ان لوگوں کا پیشاب خانہ وطہارت خانہ ہے، مجھ سے انہوں نے یہ کہا کہ اگر پیشاب کی ضرورت ہو تو یہ جگہ ہے اور وضو ٹوٹ جائے تو وضو کا یہ مقام ہے، یہ بتا کر مجھے انہوں نے چھوڑ دیا کہ اب جاؤ جو چاہو کرو- غرض یہ کہ رات بھر بحمدہ تعالیٰ اسی مسجد اقدس میں گذاری، جس جس وقت میں جو کچھ سمجھ میں آیا کرتا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی الحمدللہ علی انعامہ-

درد فراق:-

یہ مختصر زمانہ مدینہ طیبہ کی اقامت کا ایسا جلد ختم ہوا کہ سمجھ میں نہیں آیا کہ کب آیا اور کب گیا؟ فراق کی گھڑی سامنے اور حکومت کی جانب سے روانگی کا حکم ملا، جو صدمہ اور رنج اس وقت دل پر گزر رہا تھا وہ کیا بیان کیا جائے، ہر ایک شخص خود اپنے دل سے اس کا اندازہ کر سکتا ہے- کچھ دور پیدل روانہ ہوئے اور پھر پھر کر گنبد پاک کو دیکھتے رہے، جب وہ بھی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اور بہت دور نکل آئے تو اونٹ کی پیٹھ پر بغیر سغدف کے سوار ہوئے اور اس غار کے راستے سے اس مقام پر آئے جہاں ہمارے سغدف رکھے ہوئے تھے محافظوں کو اجرت دیکر اور سغدفوں کو اونٹ پر لاد کر سفر جاری رکھا، ایک روز راستہ میں قیام کیا گیا چونکہ اونٹ والے اسی قریب کے رہنے والے تھے جاتے جاتے وقت بھی ایک روز یہاں

ٹھہرے تھے اور واپسی میں بھی حاجیوں کو یہاں چھوڑ کر اپنے اونٹوں کو لے کر وہ لوگ اپنے گھروں کو گئے اور دوسرے روز واپس آئے، یہاں سے منزل بہ منزل جدہ پہنچے اور جہاز پر سوار ہو کر بمبئی روانہ ہو گئے- میرے پاس کھانے کی اجناس بہت زیادہ تھیں، جن کو مولوی عبدالکریم صاحب نے بچا رکھا تھا، جب میں سب کاموں سے فارغ ہو گیا اور جہاز پر سوار ہونے کا وقت آیا وہ سب چیزیں مولوی صاحب موصوف کو میں نے دیدیں کیونکہ ان کو مع اپنی اہلیہ کے دو تین مہینے مکہ معظمہ میں رہنا تھا، میں نے ان سے کہا کہ غلہ یہاں بہت گراں ہے اور دشواری سے ملتا ہے یہ میرے پاس کا غلہ اتنا ہے جو آپ دونوں کیلئے کئی مہینے کفایت کریگا، مولوی صاحب موصوف نے مجھے اور اپنے تمام ساتھیوں کو رخصت کیا، خود جدے میں رہے وہاں سے پھر مکہ معظمہ اور طائف وغیرہ گئے اور ہم بمبئی پہنچے، ان کے ساتھیوں نے جہاز میں مجھے بہت آرام پہنچایا دونوں وقت بہترین قسم کا کھانا پکا کر مجھے دیا کرتے تھے اگرچہ سامان میرا ہی تھا مگر محنت ان لوگوں کی تھی-

قیام بمبئی:-

شیخ امام علی صاحب رضوی جاتے وقت بمبئی موجود نہ تھے، اس وقت وہ مکان سے واپس آ چکے ہیں جہازوں کی آمد کے تجسس میں رہتے ہیں، جب کسی جہاز کے آنے کی خبر پاتے ہیں تو کبھی گودی میں خود جاتے ہیں کبھی اور لوگوں کو بھیجتے ہیں کہ وہ مجھے اتار کر مکان پر لائیں، اتفاق سے جب جہاز بمبئی پہنچا اس وقت بھی مجھے لینے کیلئے کچھ لوگ آئے ہوئے تھے جہاز سے سامان اترا ان لوگوں نے دیکھا کہ ابھی مال کی نکاسی میں دیر لگے گی سامان وہیں چھوڑا اور ایک آدمی کو متعین کیا اور مجھے مکان پر لے گئے اب میں شیخ امام علی صاحب کا مہمان ہوں- وہ خاطر مدارات میں مشغول ہیں-

جے پور سے روانگی کے وقت حاجی عبدالجبار صاحب نے وعدہ لے لیا تھا کہ جب آپ بمبئی آئیں مجھے فوراً تار دیجئے، میں بمبئی آپکو لینے کیلئے آؤں گا، ان کو بھی تار دیا وہ فوراً جے پور سے بمبئی پہنچے، بریلی اور مکان پر بھی اپنے واپس آنیکی اطلاع دے چکا ہوں- دو تین

دن سفر کی تکان میں اب میں نے بریلی روانگی کا ارادہ کیا تو امام علی صاحب نے اجازت نہیں دی اور کہا کہ میں کچھ علیل ہوں جب بالکل اچھا ہو جاؤنگا تو میلاد شریف ہوگا اور جلسہ۔ اس کے بعد آپ جائیں گے اور یہ سب ترکیبیں مجھے روکنے کی تھیں تقریباً پندرہ روز تک بمبئی ٹھہرنا پڑا جب میرا اصرار زیادہ ہوا تو امام علی صاحب نے ایک شاندار جلسہ کیا جس میں کافی اجتماع ہوا اس میں مجھے تقریر کرنی پڑی۔ کئی گھنٹہ مسلسل تقریر کے بعد سلام و قیام پر جلسہ ختم کیا گیا۔ جملہ حاضرین کو کافی مقدار میں آئس کریم کھلائی گئی اور بڑی بڑی نان خطائیاں جن کا بمبئی میں رواج ہے تقسیم کی گئیں، میں وہاں سے حاجی عبدالجبار صاحب کی معیت میں اجمیر شریف حاضر ہوا یہاں زیارت سے فارغ ہو کر جے پور پہنچا، تقریباً ایک ہفتہ جے پور میں قیام کیا وہاں سے پھر حاجی عبدالجبار صاحب اور بعض دیگر احباب کے ساتھ بریلی روانہ ہوا۔ بریلی آمد کے وقت کی اطلاع دے چکا تھا، جنکشن اسٹیشن پر استقبال کرنے والوں کا کافی مجمع تھا اور انہوں نے مجھے وہاں اترنے سے روک دیا کہ سٹی اترنا ہوگا، وہاں بہت سے لوگ استقبال کیلئے آئے ہوئے ہیں اور خود اعلیٰ حضرت قبلہ سٹی پر تشریف فرما ہیں، اعلیٰ حضرت نے ہی یہ ارشاد فرمایا ہے کہ سٹی پر اترنے کیلئے ان سے کہہ دیا جائے۔ گاڑی سٹی پر آئی اعلیٰ حضرت قبلہ سے نیاز حاصل کیا اور قدمبوسی کی۔ خود اعلیٰ حضرت قبلہ جس انداز سے پیش آئے میں اسے بیان نہیں کرسکتا۔

استقبال کرنے والوں کی جماعت مجھے اعلیٰ حضرت کے دولت خانے پر لائی سارے مجمع کو کھجوریں تقسیم کیں اور زمزم شریف پلایا، یہ زمانہ وہ تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کا مزاج ناساز تھا، کمزوری بہت بڑھ گئی تھی باوجود اس کے اسٹیشن تشریف لے جانے کی زحمت گوارا فرمائی۔ چند روز غالباً ایک ہفتہ بریلی قیام کرنے کے بعد وطن آیا۔ سب سے ملاقاتیں ہوئیں اہلیہ کو اسی طرح علیل پایا، جس طرح بیمار چھوڑ گیا تھا۔ اس سے بہت افسوس ہوا۔ یہ ہے سفر کی مختصری کیفیت، مولا تعالیٰ بزرگان دین کے صدقے میرا حج و زیارت قبول فرمائے آمین ثم آمین! وطن سے پھر بریلی گیا اور باقی ماندہ کام بدستور انجام دینے لگا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی

صحت کمزور ہوتی گئی اور علالت بڑھتی گئی، تبدیل آب و ہوا کیلئے بھوالی تشریف لے گئے اور وہیں قیام جاری رکھا اور یہ ارشاد فرمایا کہ جب تک سردی نہ آجائے گی اس وقت تک بریلی نہ جاؤں گا، کیونکہ سردی سے قبل جانے میں یہاں اور وہاں کی آب و ہوا میں جو فرق ہوتا ہے اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ اس اثناء میں دو مرتبہ میں زیارت کیلئے بھوالی حاضر ہوا۔ مگر چونکہ مدرسہ، پریس اور بریلی کے دیگر ضروری کام کی وجہ سے جو میرے متعلق تھے جنکی وجہ سے وہاں زیادہ قیام نہیں کرسکتا تھا۔

اہلیہ کی وفات:۔

اس سال کا رمضان بھی اعلیٰ حضرت نے بھوالی پر ہی گزارا اور میں رمضان میں مکان چلا آیا، اہلیہ کی حالت اور زیادہ خراب پائی جس سے بہت افسوس ہوا۔ اور روز بروز ان کی حالت گرتی گئی، یہاں تک کہ رمضان شریف میں نشست و برخاست سے بھی معذور ہو گئیں، ان کی تیمارداری کیلئے صرف میں ہوتی یا میرے لڑکے۔ اس زمانہ میں مولوی شمس الہدیٰ سلمہٗ کی شادی ہو چکی تھی ان کی بیوی بھی موجود تھیں مگر وہ اپنی نوعمری کی وجہ سے تیمارداری کے بہت کاموں سے ناواقف تھیں، پھر بھی اس بے چاری نے بہت خدمت کی یہاں تک کمزوری کا عالم بڑھا کہ تیمم بھی خود نہیں کرسکتی تھیں، کوئی دوسرا کرادیتا اور وہ لیٹے ہی لیٹے نماز ادا کرتیں۔ آٹھ شوال (۱۳۳۹ھ) عصر کے بعد، داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ O

ان کے انتقال کے بعد میرے سامنے مصیبتوں کا ایک پہاڑ تھا، دو بچے عبدالمصطفیٰ وعطاء المصطفیٰ چھوٹے چھوٹے ان کی دیکھ بھال، گھر کی سب چیزوں کا انتظام، جن سے مجھے آج تک سابقہ نہیں پڑا تھا میرے لئے بہت دشوار تھا، ان سب بچوں کو اور شمس الہدیٰ کی اہلیہ کو لے کر بریلی گیا اس کے سوا مجھے کوئی چارۂ کار نظر نہیں آیا کہ سب کو اپنے ساتھ رکھوں ایک عظیم صدمہ پہنچ چکا ہے۔

اعلیٰ حضرت کا وصال:۔

اعلیٰ حضرت قبلہ کی عالت اب روز بروز بڑھتی جارہی ہے، بھوالی سے تشریف

لائے ہیں کمزوری اتنی ہے مسجد آدمی اور لاٹھی کے سہارے جو پہلے جایا کرتے تھے وہ بھی اب
نہیں ہوسکتا کرسی میں ڈنڈے باندھ دئے گئے اس پر بٹھا کر لوگ اٹھا کر وہاں پہنچاتے ہیں
کیونکہ اعلیٰ حضرت ہمیشہ مسجد ہی میں نماز پڑھا کرتے تھے- بیماری کی وجہ سے بھی مسجد جانا
نہیں چھوڑا کرتے تھے- پچھلا جمعہ ادا کرنے کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ اب آئندہ جمعہ ملنے کی
امید نہیں معلوم ہوتی، جمعہ کے بعد سے اب اتنی بھی طاقت نہ تھی کہ کرسی پر بٹھا کر مسجد میں
لایا جاتا- اب مکان کے اندر ہی نماز ادا فرماتے، مگر باوجود اس کمزوری کے نماز کھڑے ہو کر
ہی ادا کرتے تھے- لوگ پکڑ کر کھڑا کر دیا کرتے پھر چھوڑ دیتے اور فرض نماز اپنے آپ قیام
کے ساتھ ادا فرما لیتے تھے، سنتیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے شاید آخر میں دو چار نمازیں ہی ہوئی
ہوں جن کو بیٹھ کر ادا کیا ہو، اب جمعہ آیا یعنی ۲۲ رصفر ۱۳۴۰ھ آج مزاج کی کیفیت بہت بدلی
ہوئی ہے کمزوری بہت زیادہ ہے، کچھ ضروری وصیتیں بھی کئے جا رہے ہیں اور وہ لکھی جا رہی
ہیں، اس سے پہلے بھی ایک دفعہ وصیت نامہ تحریر کرنے کا حکم دیا تھا، بلکہ میں نے ہی وہ لکھا تھا
اس وصیت نامے میں اور آج کے وصیت نامے میں تحریر تھا کہ فلاں فلاں شخص مجھ کو غسل
دیں، ان میں خصوصیت کے ساتھ میرا نام تھا کہ وہ غسل دیں اور فلاں فلاں مدد دیں- نماز
جنازہ کی وہ دعائیں جو میرے فتوئی میں تحریر ہیں اگر حامد رضا یاد کر لیں تو وہ پڑھائیں ورنہ
مولانا امجد علی صاحب پڑھائیں-

تصویروں سے مکان کا تخلیہ:-

آخر وقت میں سورہ رعد و سورہ یٰسین شریف پڑھنے کا حکم دیا کہ کوئی شخص بلند آواز
سے اس کو پڑھے، کارڈ اور لفافے جتنے بھی وہاں تھے سب کو ہٹوا دیا کہ ان میں تصویریں ہیں
یہاں ان کا رہنا ٹھیک نہیں، ڈھائی بج چکے ہیں- جمعہ کی اذان ہو رہی ہے مؤذن کی زبان
سے حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح نکلتا ہے اسی وقت روح نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا- اِنَّا لِلّٰہِ
وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ O

ہم خدام اور متعلقین کا اس وقت جو حال تھا وہ بیان سے باہر ہے- دنیا ہماری
آنکھوں کے سامنے تاریک نظر آتی تھی، اب تک ہمیں ہر قسم کا اطمینان رہتا تھا، اہم سے اہم

معاملات ہمارے سامنے ہلکے معلوم ہوتے تھے، اب تک سارا بار اعلیٰ حضرت قبلہ کے ذمہ تھا
اور حضور کی ذمہ داری میں ہم بھی کچھ خدمت دین کر لیا کرتے تھے مگر اب کوئی ذمہ دار نہیں
اب جو کرنا ہوگا اپنی ذمہ داری پر کرنا ہوگا- صحت اور غلطی کے ہم خود ذمہ دار ہونگے، اب ہمیں
پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہے اور بہت احتیاط کے ساتھ سنبھل سنبھل کر چلنا ہے-

عشاق کا ہجوم:-

رامپور، مراد آباد، پیلی بھیت، شاہجہاں پور، دہلی، اور میرٹھ وغیرہ قریب کے
شہروں میں تار روانہ کئے گئے، اطلاعیں دے دی گئیں جو خاص تعلق رکھنے والے تھے- بروز
ہفتہ ۲۶ رجنوری صبح کو نو دس بجے کے قریب غسل سے فراغت ہوئی-

امام اہل سنت کا جنازہ:

یہ سوچا گیا کہ نماز جنازہ کہاں ادا کی جائے، شہر میں کوئی جگہ ایسی نظر نہ آئی جہاں
پورے جنازہ پڑھنے والوں کیلئے گنجائش ہو- جنازہ عیدگاہ لے جایا جانا تجویز ہوا، ہجوم کا یہ عالم
تھا کہ بیان سے باہر ہے- بمشکل تمام شاید ایک یا دو دفعہ قریب جنازہ کندھا دینے پہنچ
سکا ہوں اور چند سکنڈ کیلئے کندھا دے سکا ہوں- عیدگاہ پہنچتے پہنچتے کافی دیر ہوگئی- ظہر کا وقت
ہوگیا وہیں نماز ظہر و نماز جنازہ ادا کی گئی، پھر وہاں سے واپسی میں اتنی دیر ہوگئی کہ وقت
عصر آگیا- اس وقت اس علم و عمل کے آفتاب کو جس کا مثل اسکے عہد میں نہ صرف ہندوستان
بلکہ تمام روئے زمین پر آفتاب دنیا نے نہ دیکھا تھا، جس کے علم کی نورانیت تمام جگہوں پر
روشنی پہنچا رہی تھی اور دنیا والوں کو کفر و ضلالت سے بچا رہی تھی، آج اسی آفتاب کو زمین کے
اندر روپوش کیا گیا- دفن کے بعد حسب وصیت قبر مبارک پر ایک شخص بلند آواز سے قرآن
پڑھتا رہا اور گھنٹہ گھنٹہ بھر بعد تبدیلیاں ہوتی رہیں، اس طرح تین شبانہ روز برابر قرآن خوانی
کا سلسلہ رہا- اعلیٰ حضرت کی قبر مبارک جس مکان میں ہے پہلے اسی مکان میں مدتوں مطبع
اہلسنت رہا اور خاص قبر کی جگہ میری نشست رہا کرتی تھی، وہیں بیٹھ کر میں پریس کے کام
انجام دیا کرتا تھا، مگر چونکہ وہ مکان شکستہ ہو چکا تھا اس لئے کمرے اس وقت اتنے نہ تھے کہ
مطبع و کتب خانے وغیرہ کیلئے کافی ہو سکتے، اس لئے پریس محلہ بہاری پورہ میں منتقل کیا جا چکا

تھا اور ایسے میں تقریباً دو تین برس سے بہاری پور ہی میں رہتا تھا، سوئم و تیجا مسجد بی بی جی میں
ہوا۔ اس کے بعد چہلم ہوا جس میں بہت دور دور سے علماء ومشائخ وصوفیاء حاضر ہوئے تھے۔
اس موقع پر مولانا حامد رضا خان صاحب کی سجادہ نشینی ہوئی اور اب معلوم ہوا کہ وہاں کی دنیا
ہی نرالی ہے نہ اب وہ مکان معلوم ہوتا ہے نہ وہ گلیاں نظر آتی ہیں، ہونے کو سب کچھ وہی ہے
مگر ان میں جو ایک روحانیت تھی وہ اب باقی نہیں رہی۔

اہل بصیرت کا احساس:۔

چہلم کے موقع پر جب مولانا سلیمان اشرف صاحب علی گڑھ سے آئے تو فرمانے
لگے کہ پہلے جب میں کبھی بریلی آتا تھا اور محلہ سوداگراں کی گلی میں گھستا تھا تو وہیں سے مجھے
ایک ایسی کیفیت محسوس ہوتی تھی جس کا اثر قلب ودماغ پر ہوتا اور دل اس سے لطف اندوز
ہوتا، آج جو اس گلی میں آیا ہوں تو وہ کیف نہیں پاتا ہوں آج حالت ہی بدلی ہوئی نظر آتی
ہے۔ خود ہم لوگوں کو آنے جانے میں اس قسم کا فرق محسوس ہوتا تھا، نمازوں میں جو کیفیت ہوا
کرتی تھی وہ اب نہیں ہوتی۔ باوجودیکہ اعلیٰ حضرت نہیں پڑھاتے تھے مگر چونکہ ان کی شرکت
رہتی تھی اس وجہ سے وہ بہت پر کیف ہوتی تھیں اور دور دور سے لوگ اس کیلئے جاتے تھے جس
کا صرف مقصد یہ ہوتا تھا کہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ میں جو کام کرتا تھا وہ
سب بدستور جاری ہیں مدرسہ میں تعلیم بھی دے رہا ہوں مطبع اہلسنت کی نگرانی وانتظام بھی
کرتا ہوں اور اس کے سارے کام انجام بھی دیتا ہوں، شہر کے لوگوں کو جب فتوے کی
ضرورت ہوتی وہ عموماً میرے پاس آتے، کیونکہ اعلیٰ حضرت کے زمانہ میں بھی میں ہی یہ کام
انجام دے رہا تھا اور باہر سے بھی فتووں کے خطوط میرے نام آنے لگے کام سب جاری ہیں
جن کی ذمہ داریاں اپنے اوپر ہیں۔

بریلی سے اجمیر شریف:۔

اعلیٰ حضرت کے وصال کے کئی سال بعد تک بریلی میں قیام رہا۔ اہل شہر کی دینی
خدمتیں عموماً مجھ ہی کو انجام دینی ہوتی تھیں۔ پھر اجمیر شریف سے ۱۹۲۵ء میں چند اشخاص پر
مشتمل ایک وفد روانہ ہوا۔ جن کا مقصد صدر المدرسین کو تلاش کرنا تھا وہ وفد بریلی پہنچا اور مجھ

سے ملا، اراکین وفد کو میں جانتا پہچانتا بھی تھا ان لوگوں نے اپنا مقصد میرے سامنے پیش کیا،
میں نے کہا میں تجسس کروں گا اور خیال دوڑاؤں گا اگر کوئی شخص آپ کے مدرسے کی
صدارت کے قابل دستیاب ہوا تو مطلع کروں گا، گفتگو ہوتی رہی آخر میں اس وفد نے پیش کیا
کہ ہم آپ کو کسی کے تلاش کرنے کی تکلیف نہیں دیتے ہمارا مدعا صرف اور صرف یہ ہے کہ
آپ وہاں کی صدارت قبول فرمائیں۔ اولاً تو میں نے ادھر ادھر کی معذرت بیان کی پھر بریلی
سے جدا ہونے کے متعلق جو دشواریاں تھیں وہ بیان کیں۔ جب وفد نے اور زیادہ مجبور کیا تو
ان کے سامنے رکھا گیا کہ مولانا حامد رضا خان صاحب ہمارے پیرزادے ہیں اور اعلیٰحضرت
کے جانشین ہیں، بغیر ان کی اجازت کے میں یہاں سے نہیں جاسکتا۔ اتفاق سے مولانا اس
زمانے میں بریلی تشریف نہیں رکھتے تھے، وفد نے مجھ سے اتنا طے کرالیا کہ اگر وہ اجازت
دیں گے تو آپ اجمیر تشریف لاسکیں گے۔

مجلس علماء کا فیصلہ:۔

مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف کی مجلس العلماء کے
اراکین نے جن میں مولوی فضل حق صاحب رامپوری، مولوی عبدالباری فرنگی محلی اور مولوی
سلیمان اشرف صاحب بہاری خاص طور پر قابل ذکر ہیں طے کیا تھا کہ دارالعلوم کی صدارت
کیلئے صرف وہی شخص موزوں ہیں اور یہاں کا کام انہی سے انجام پاسکے گا، کیونکہ یہاں کے
صدر کیلئے علاوہ قابل اور ماہر ہونے کے متحمل مزاج ہونا اور یہاں کے واقعات پر نظر کر کے
اس پر اس طرح عمل کرنا کہ باہم تصادم نہ ہونے پائے یہ بہت ضروری چیز ہے۔ جب یہ وفد
بریلی سے اجمیر شریف واپس ہوا اور سفر کی رپورٹ پیش کی تو معتمد دارالعلوم کی جانب سے
رجسٹری شدہ ایک مراسلہ میرے نام اور ایک مراسلہ مولانا حامد رضا خان صاحب کے نام
آیا۔ مجھے اجمیر شریف کی حاضری پر زور دیا جاتا ہے اور اس کے دینی فوائد بیان کئے جاتے
ہیں اور یہ بھی اس میں لکھا کہ آپ خود قائم مقام بن کر مولانا حامد رضا خان صاحب سے
ہماری جانب سے اپنے کو اجمیر شریف کیلئے طلب کریں ان کے یہ خطوط آنے کے بعد میں اور
مولانا اس معاملے میں کئی روز تک غور کرتے رہے، میں ان کے اوپر ڈالوں اور وہ مجھ پر

ڈالیں، آخر میں نے یہی طے کیا کہ بریلی ہی میں رہنا ہے اجمیر شریف لکھ دیا کہ میں کسی طرح نہیں آسکتا میرا یہ خط پہنچنے کے بعد پھر سعی ہوتی ہے اور مولانا سلیمان اشرف صاحب جو میرے طالب علمی کے زمانے کے دوست اور خود میرے اجمیر شریف جانے کے محرک بھی ہیں، مدرسے کی جانب سے انہیں سفارشی بنایا جاتا ہے اور اس درمیان میں ڈالا جاتا ہے انہوں نے ایک بہت زوردار خط لکھا جس میں مجھے اجمیر شریف جانے کی طرف بھرپور توجہ دلائی اور اس کی یہاں تک انہوں نے ضرورت ثابت کی کہ چونکہ علی گڑھ میں ایک زبردست دینی کام انجام دے رہا ہوں اور یہاں کی فضا میں دوسرے کو یہ کام انجام دینا نہایت دشوار تر ہے۔ اگر یہ چیز مانع نہ ہوتی تو میں خود اجمیر شریف چلا جاتا اور وہاں کی صدارت کے کام کو انجام دیتا۔

اجمیر شریف جانا طے کرلیا:

ادھر ان کا زور ادھر دارالعلوم معینیہ کی جانب سے متولی صاحب کا اصرار پر اصرار کچھ دوسرے مصالح بھی ایسے رونما ہوگئے کہ میں نے اجمیر شریف جانا ہی مناسب سمجھا، بلکہ اپنے خاص احباب کی ایک کمیٹی طلب کی جو پندرہ بیس اشخاص پر مشتمل تھی ان کے سامنے رکھا اور جمیع ماعلیہ اور مالہ، کو ان کے سامنے رکھ دیا، پھر ان سے دریافت کیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ یہ وہ لوگ تھے جو بریلی سے میرے جانے پر کسی طرح راضی نہیں ہوسکتے تھے مگر کچھ باتوں میں ایسا پیچ وتاب پڑ گیا تھا کہ ان سب کو بالاتفاق یہی طے کرنا پڑا کہ اب آپ کو اجمیر شریف چلا جانا صرف مناسب نہیں بلکہ ضروری ہے۔ احباب کے مشورے کے بعد روانگی کا عزم کرلیا۔

سب سے پہلے میری اہلیہ ثانیہ جو اس وقت بیمار تھیں اور ان کے بچے کا دھڑ کچھ مضمحل تھا ان کو مکان پر پہنچانا ضروری تھا۔ نور چشم مولوی شمس الہدیٰ اس وقت لکھنؤ میں تھے ان کو اطلاع دی کہ فلاں روز فلاں ٹرین سے مکان جارہا ہوں تم میرے ساتھ چلو کیونکہ تمہاری والدہ کی طبیعت خراب اور تم نہ ہوگے تو گاڑی بدلوانے میں شاہ گنج میں میرے لئے بڑی دشواری ہوگی، سب اہل وعیال کو لئے ہوئے مکان پر آیا صرف مولوی یحییٰ کو بریلی چھوڑا

کیونکہ ان کو اپنے ساتھ اجمیر شریف لے جانا تھا، مکان سے بریلی واپس ہوا سفر کی تیاری شروع ہوئی مدرسہ کے طلبہ کچھ اس درجہ مانوس تھے کہ ان کو میرا جانا نہایت درجہ شاق تھا۔

طلبہ کی دل گرفتگی اور دعوت وداع:۔

مگر وہ بیچارے مجبور تھے اس معاملے میں کچھ نہیں کرسکتے تھے طلبہ نے روانگی کے سلسلہ میں بہت دھوم دھام سے دعوت کی بلکہ اس دعوت کے دو حصے ہوگئے ایک دن ہندوستانی طلبہ نے دوسرے روز بنگالیوں نے، دعوت کے بعد کچھ تقریر ہوئی جس سے سارا مجمع متاثر تھا اور میری روانگی کی وجہ سے بہت سے چشم پرآب بلکہ رو رہے تھے۔

اجمیر شریف میں ورود:۔

بریلی سے روانہ ہوکر ایک روز جے پور قیام کیا اور دوسرے دن وہاں سے اجمیر شریف پہنچا۔ اسٹیشن پر مدرسین وطلبہ کا ایک بہت بڑا اجتماع تھا جو مجھے اپنے ساتھ آستانہ غریب نواز پر لائے، وہاں سے حاضری دے کر مدرسہ کے دارالاقامہ میں لے گئے کہ یہیں میرا عارضی طور پر قیام ہوگا، جس روز میں اجمیر شریف پہنچا اس دن تاریخ ۲۵ رجمادی الآخرہ تھی اور عرس کے سلسلہ میں تعطیل کا پہلا دن تھا اور یہ تعطیل دو مہینے سے زائد ہوتی ہے، گویا اتنے دن مجھے تعلیم وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں، یہاں کے داخلی اور خارجی معاملات پر غور کرتا رہا اور یہ کہ کس طرح پر یہاں کا کام انجام دینا چاہیے دارالعلوم معینیہ کے دستور میں چلا آتا ہے، سالانہ امتحان اور جلسہ دستار بندی اسی عرس کے ہی موقع پر ہوجاتا ہے کیونکہ اس موقع پر نہ کسی کو بلانا پڑتا ہے نہ مصارف دینے پڑتے ہیں۔ علماء ومشائخ بکثرت موجود ہوتے ہیں وہ لوگ بلائے جاتے ہیں اور ان کے سامنے امتحان ہوجاتا ہے اور پھر دستار بندی کا جلسہ اس سال بھی جلسہ دستار بندی اسی موقع پر تھا اور جناب مولوی حبیب الرحمان صاحب شیروانی الملقب بنواب صدر یار جنگ بہادر بھی حیدرآباد سے تشریف لائے تھے اور یہ دارالعلوم ان کی ماتحتی میں تھا کیونکہ ریاست دکن کے معتمد امور مذہبی تھے، ان کی موجودگی میں جلسہ ہوا اور دستار بندی بھی ہوئی مولوی وصی احمد صاحب بہرامی کی دستار بندی اسی سال ہوئی اگرچہ وہ

مولانا مشتاق احمد صاحب کانپوری کے شاگرد تھے اور جب وہ اس دارالعلوم میں صدر مدرس تھے فارغ ہوئے تھے مگر ان کی سند پر بحیثیت صدر مدرس میرے دستخط ہوئے۔ اگرچہ مولوی مشتاق احمد صاحب اس جلسہ کے موقع پر موجود تھے مگر نواب صدر یار جنگ بہادر نے یہ کہا کہ مولانا مشتاق احمد صاحب کا مدرسے سے چونکہ تعلق نہیں رہا اب سے ان کے دستخط سند پر کسی طرح نہیں ہو سکتے۔

افتتاح:۔

غالباً بارہ تیرہ رجب کو مدرسہ کھلا اور اب تعطیل کلاں کو ایک مہینہ سے کچھ ہی زیادہ ہے، طلبہ کا امتحان بھی بعض جماعتوں کا ہو چکا ہے اور بعض کا باقی ہے، تعلیم کا سلسلہ کچھ جاری کیا گیا مگر ادھورا، کہ پورے طور پر تعلیم اب ماہ شوال ہی میں ہو سکے گی اس وقت کام شروع کر دیا گیا ہے مگر تنہائی کی وجہ سے اطمینان خاطر نہیں ہے۔ شعبان میں جس دن تعطیل کی مکان واپس آیا اور اب جو شوال میں جانا ہوا تو مدرسہ کھلنے پر اسباق کی تقسیم ہوئی تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا۔ کمیٹی کی جانب سے مجھے بتاکید یہ کہہ دیا گیا کہ آپ اپنا ایک گھنٹہ ضرور خالی رکھیں تاکہ اس میں درجات کی دیکھ بھال ہو سکے اور مدرسین کس طرح پڑھا رہے ہیں؟ اس کا بھی اندازہ کیا جا سکے چنانچہ برابر تمام درجوں کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ مدرسین کی تعلیم میں جو خامیاں تھیں وہ بتاتا اور ظاہر کرتا رہا، مدرسے میں قوانین بہت کچھ تھے مگر پہلے کے صدر مدرسین نے اپنے اوپر پابندی کو برا سمجھا، جب خود نہ پابندی کریں تو دوسروں کو کیا پابند کر سکتا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مدرسین اور طلبہ بھی آزاد تھے، جس کا جب جی چاہتا یہاں سے وہاں وہاں سے یہاں چلا جاتا، ان قوانین کی پابندی کی طرف لوگوں کی توجہ دلائی گئی خود بھی سختی کے ساتھ قوانین پر پابندی کی پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ دوسرے پابندی نہ کریں، نہایت ضابطے کے ساتھ مدرسے میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا، مگر بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں جو آزادی پسند ہیں ان کا منشا یہ ہوتا ہے کہ جو چاہیں کر ڈالیں، مگر بے ضابطگی میں اگرچہ کام کتنا ہی زیادہ کیا جائے نتیجہ ہمیشہ خراب نکلتا ہے، دوسروں کیلئے سند ہو جاتی ہے جب ان بے ضابطگیوں سے روکا گیا تو کینہ پرور طباع مخالفت پر آمادہ ہو گئیں اور انہوں نے اندرونی طور پر طلبہ اور مدرسین کو برہم کرنا شروع

کیا، اس قسم کی خبروں کے ملنے پر نہایت ہوشیاری اور تدبر سے بغیر کسی فتنہ وفساد کے اس قسم کی تمام مخالفتوں کو دور کیا گیا۔

تنہائی کا احساس:۔

میری یہیں یہ غلطی ہوئی تھی کہ اپنے ساتھ طلبہ کو نہیں لے گیا، مدرسہ میں جاکر کام کرنا شروع کر دیا۔ مدرسہ میں جتنے طلبہ تھے وہ سب دوسروں کے زیر اثر تھے اور ان لوگوں کے آلۂ کار بن کر فتنہ وفساد برپا کرتے تھے۔ جب مدرسین میں رفتہ رفتہ دوسرے طلبہ اگر کہتے تو وہ بھی کثرت سے مرعوب ہو کر انہیں کے ساتھ ملکر فساد کے آلۂ کار بنتے رہے، کچھ دنوں کے بعد کچھ طلبہ کو جب یہ سمجھ میں آیا کہ یہ مدرسین وطلبہ فساد کر کے مدرسے کا نظم برباد کرنا چاہتے ہیں اور اس سے خود ہماری تعلیم بھی خراب ہو گی اور ہو رہی ہے تو ان سے علیحدہ رہ کر فساد سے دور رہے، اب گویا دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک صلح پسند دوسری فتنہ پسند رفتہ رفتہ کرتے کچھ دنوں میں فساد پسند جماعت کا قلع قمع کیا گیا کبھی نرمی کبھی تشدد گویا مختلف صورتوں سے اس کا خاتمہ کیا گیا اور بفضلہٖ تعالیٰ مدرسہ میں بہتر سے بہتر انتظام اور مکمل درجے کی تعلیم ہو گئی۔

مثالی دارالعلوم:۔

طلبہ کی اتنی کثرت کہ اراکین مدرسہ اس میں اپنے کو قاصر پاتے تھے۔ جتنے طلبہ کی مدرسہ میں گنجائش تھی مدرسے میں رکھے گئے، باقی اراکین نے اور شہر کے مخیّر حضرات نے اپنے یہاں طلبہ کے طعام وغیرہ کا انتظام کیا، مدرسہ کی تعلیم اور انتظام کا یہ وہ زمانہ تھا کہ نہ اس سے پہلے کبھی ایسا ہوا تھا نہ بعد میں ایسی بات باقی رہی۔ طلبہ میں تعلیم کا ذوق وشوق اور اتباع شریعت کا بھی جذبہ تھا، پہلے والے طلبہ کو نہ ان کی ظاہری وضع قطع شریعت کے موافق تھی نہ ان میں ارکان اسلام ادا کرنے کا جذبہ تھا، عجیب قسم کے وہ طلبہ تھے جنکو تقریباً دین سے بے تعلق کہا جائے تو بجا ہے اور اس زمانے میں جو طلبہ تھے اپنی قابلیت اور شوق سے امتیازی حالت رکھتے تھے، شہر کے لوگ عموماً ان طلبہ کی طرف مائل تھے اور ان کی بہترین حالت پر ان کے جانے کے بعد بھی انہیں مدتوں یاد کرتے تھے۔ مدرسہ نہایت عروج پر تھا، اس زمانے میں

مولانا سلیمان اشرف صاحب وغیرہ کی رائے ہوئی کہ ہندوستان کے چنے ہوئے فضلائے کرام امتحان کے لیے بلائے جائیں اور طلبہ کا امتحان وہ لیں اور مدرسہ کی تعلیمی حالت پر جیسی بھی ہو وہ رائے زنی کریں تا کہ جو کچھ یہاں کمی ہے اسے پورا کرنے کی سعی کی جائے۔ مولوی فضل حق صاحب رامپوری جو ایک پرانے مدرس تھے پڑھاتے پڑھاتے بوڑھے ہو چکے تھے، معقولات کی تعلیم کا پورا ملکہ رکھتے تھے وہ بھی اس موقع پر بلائے گئے اور ان کے سامنے میر زاہد، حماسہ، قاضی مبارک، صدرا، شمس بازغہ، تلویح یہ کتابیں امتحان کے لیے پیش کی گئیں امتحان کے لیے کسی جگہ اور اوراق کی پابندی نہ تھی ممتحن صاحب کو اختیار تھا کہ جہاں سے چاہیں پوچھیں۔ امتحان لیا اور بہت خوش ہوئے مولوی وحافظ عبدالعزیز صاحب ومولوی سردار احمد صاحب وحضرت مولوی سید غلام جیلانی صاحب علی گڑھی ومولوی رفاقت حسین صاحب مظفر پوری ان چاروں کی ایک جماعت تھی ان کے امتحان سے ممتحن صاحبان نہایت خوش ہوئے۔ بلکہ ان کے متعلق تحریر لکھی کہ اس قسم کے طلبہ اس زمانے میں نایاب ہیں۔ ہم نے ہندوستان کے کسی بھی مدرسہ میں ایسے طلبہ نہیں پائے۔ بہت جانکاہی کیساتھ مدرسہ کے تعلیمی اور اخلاقی کام کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ مدرسہ کی حالت بہتر سے بہتر ہوتی رہی۔

فساد کا بیج:

اس مدرسہ میں فساد کا جو مادہ تھا اگر چہ اسے بہت کچھ دبا رکھا تھا، مگر اس کا استیصال نہیں ہوا تھا برابر کسی نہ کسی صورت میں ظاہر ہوتا رہا اور چونکہ معتمد دارالعلوم سید نثار احمد صاحب متولی درگاہ معلی کی زیر حمایت اسکی پرورش ہوتی رہی اس وجہ سے اسکو ختم نہیں ہونے دیتے تھے اور اگر مدرسہ امن وامان کے ساتھ چلتا رہتا تو بعض حضرات جنکے ذریعہ سے فساد ہوتا رہتا تھا انکی مدرسہ میں ضرورت باقی نہ رہتی، وہ اپنا وجود اسی وقت تک قائم رکھ سکتے تھے جب تک کبھی نہ کبھی فساد ہوتا رہے۔ جب اس چیز کو اچھی طرح سمجھ لیا گیا اور یہ اندازہ کر لیا گیا کہ یہاں ایک نہ ایک فساد ہوتا رہے گا اور اس کی الجھنوں میں پڑنا پڑے گا، لہذا بہتر یہ سمجھا کہ اس سے علیحدگی اختیار کر لی جائے لہذا ایک استعفی میں نے لکھا جو نہایت مدلل تھا اور جو بے عنوانیاں اور بے ضابطگیاں میرے ساتھ کی گئیں ان سب کا اس میں حوالہ تھا اس لیے

ایک میعاد بھی مقرر کر لی تھی غالباً دو ہفتہ کی کہ ہم اتنے دنوں تک پڑھانے کے بعد مدرسے سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ مدرسہ اپنے لیے کسی صدر مدرس کا انتخاب کر لے۔ وہ میعاد پوری ہوتے ہی میں روانگی کیلئے بالکل تیار ہو گیا میرے سامان سب باندھے جا چکے جو ساتھ جانے کا تھا وہ ساتھ لے لیا اور جس کو پارسل کرنا تھا اس کو علیحدہ رکھ دیا گیا، یہاں تک کہ راستہ کیلئے ناشتہ بھی تیار ہو گیا۔ اب صرف دو گھنٹے میری روانگی میں باقی ہیں کہ میں نے خیال کیا کہ متولی صاحب سے آخری ملاقات کر لینی چاہیے تا کہ جو کچھ ہوا وہ ہوا آئندہ کیلئے تعلقات خوشگوار باقی رہیں۔ ان سے ملنے کیلئے گیا اور میں نے کہا کہ آج جا رہا ہوں آپ سے ملنا ضروری تھا، ملاقات کیلئے آ گیا ہوں، میرے یہ جملے سن کر انہوں نے سر نیچا کر لیا اور کچھ دیر تک غور کرتے رہے پھر یہ کہا کہ کیا آپ بالکل جا ہی رہے ہیں؟ میں نے کہا: سامان باندھا جا چکا ہے اور راستہ کیلئے ناشتہ بھی تیار ہو چکا ہے، اب جانے کیلئے کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک بات آپ میری مان جائیے آپ جا ہی رہے ہیں، مگر اس وقت کا جانا ملتوی کر دیں۔ کل آپ چلے جائیں میری خاطر سے ایک روز کے لئے ٹھہر جانے میں کوئی نقصان تو نہیں۔ میں نے کہا نقصان تو کچھ بھی نہیں ہے آج نہیں کل ہی چلا جاؤں گا، جس طرح آج ناشتہ پک چکا تھا کل بھی پک جائیگا۔ مگر جاؤں گا ضرور، انہوں نے کہا کہ آپ کی خوشی ہے مگر آج ٹھہر جائیں کل نو دس بجے تشریف لے جائیں، اس وقت میں کچھ گذارش کروں گا پھر شام کی گاڑی سے آپ جا سکتے ہیں۔

خواجہ صاحب کا واسطہ دے کر روک لیا گیا:۔

دوسرے دن بھی میں نو دس بجے ملاقات کیلئے گیا، اس وقت متولی صاحب نے یہ کہا کہ بزرگان دین اور خواجہ غریب نواز سے آپ کو جو کچھ عقیدت ومحبت اور ان کے آستانہ عالیہ سے جو میرا لگاؤ اور نسبت ہے۔ اسی تعلق اور نسبت کو آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور اس کا واسطہ قرار دیتا ہوں اور سفارشی بناتا ہوں کہ اس عقیدت سے جو آپ کو ہے سوال کرتا ہوں کہ آپ یہاں سے تشریف نہ لے جائیں، میں آپ کا ہوں مدرسہ آپ کا ہے آپ کے جانے سے جو مجھے صدمہ ہوگا اور دل شکنی ہوگی وہ آپ کو ہرگز گوارہ نہیں ہو سکتی، متولی صاحب کے یہ

چند جملے جوانہوں نے اس وقت نہایت دردانگیز لہجے میں ادا کیئے میرے دل پر اثر کر گئے اور یہ خیال آیا کہ ان کی اس پر خلوص گذارش کو ٹھکرانا روا نہیں، میں نے ان سے کہدیا کہ میں سفر کیلئے بالکل تیار ہو گیا تھا اور کوئی قوت مجھے اسوقت روک نہیں سکتی تھی مگر آپ کے یہ جملے کچھ اس طرح موثر ہوئے کہ میں اپنے ارادے کو ملتوی کر رہا ہوں - آئندہ جو کچھ بھی ہو مگر میں اب نہیں جاسکتا، اسکو سنکر وہ بہت مسرور ہوئے اور اٹھ کر معانقہ کیا اور مجھے لیے ہوئے مدرسہ میں پہنچے اور تمام مدرسین وطلبہ کو جمع کر کے انہوں نے ایک مختصر سی تقریر کی کہ صدرالمدرسین صاحب جانے کیلئے بالکل تیار تھے، آپ سب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ان کی روانگی کا سامان تیار ہو چکا تھا، ناشتہ بھی پک چکا تھا میں نے ان کو روکا اور آج اسی قوت سے کام لیا کہ سمجھ رہا تھا کہ یہ ضرور کارگر ہوگی اور اسکو صدر صاحب کسی طرح رد نہ کریں گے، میں نے ان کو روکا اور اب مدرسہ میں لے کر آیا ہوں اور تمام لوگوں سے یہ کہتا ہوں کہ کان کھول کر سن لو کہ ان کا ہر حکم میرا حکم ہوگا اور جس نے ان کے کسی حکم کو نہ مانا اور ان کا پورا احترام نہ کیا وہ کسی طرح سے مدرس ہو یا طالب علم وہ مدرسہ میں نہیں رہ سکتا - مدرسے کے جتنے معاملات ہیں کلی خواہ جزئی سب ان کو سپرد کیے جاتے ہیں، سب ان کے اختیار میں ہیں ہر سیاہ سفید کا ان کو مالک بنایا جاتا ہے - مدرسہ کے جملہ انتظامات تنہا ان کے ہاتھ میں ہیں، کوئی ان میں دخل نہیں دے سکتا، یہ سب کہنے کے بعد متولی صاحب مجھے لیے ہوئے اپنے مکان پر پہنچے اور وہاں سے مجھ کو رخصت کیا مدرسہ کے جملہ امور نہایت خوبی کیساتھ انجام پانے لگے، تھوڑا زمانہ گزرنے پایا تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے عرس میں بریلی جانا ہوا، وہاں سے فارغ ہو کر علی گڑھ پہنچا - مولانا سلیمان اشرف صاحب کا بہت دنوں سے اصرار تھا کہ کبھی علی گڑھ اکٹھے رہیں گے ربیع الاول شریف کا چاند میں نے علی گڑھ میں دیکھا اور کئی روز قیام کرنے کے بعد اجمیر شریف واپس آیا -

